ڈیوٹیز سے ہٹ کر کوئی دوسرے طریقے آزمانے کی ضرورت ہے مثلاً تمام درآمدات پر 30 فیصد تک کا کیش مارجن، جس سے ضروری اشیاء مثلاً پٹرولیم مصنوعات، کھادیں اور ادویات مستثنیٰ ہوں۔ اسی طرح ٹیرف کوٹہ بھی درآمدات کو قابو میں لانے کے موثر طریقوں میں شمار ہوتے ہیں۔ چین کے ساتھ ایف ٹی اے پر ازسرنو مذاکرات کی ضرورت ہے تاکہ بہتر ادلے بدلے کی صورت پیدا ہو۔

ج: بیرونی سرمائے کی ضروریات: 19-2018 میں ''کاروبار حسب معمول'' کی صورتحال میں یہ اندازاً 30 ارب ڈالر رہا جو جی ڈی پی کا تقریباً 10 فیصد بنتا ہے۔ محفوظ سطح جی ڈی پی کا 5 فیصد ہے۔ مالیات کا معمول کا بہاؤ مجموعی طور پر 18-2017 میں 17 ارب ڈالر رہا۔ لہٰذا نقد سرمائے کا فرق 13 ارب ڈالر بنتا ہے۔ حکومت ادائیگیوں کے توازن کے سلسلے میں آئی ایم ایف سے مدد لینے کا راستہ اختیار کر رہی ہے۔ عین ممکن ہے کہ آئی ایم ایف کرنٹ اکاؤنٹ خسارے کے حجم میں نیچے کی جانب ایڈجسٹمنٹ کا تقاضا کرے گا جو اس وقت 6 ارب ڈالر سے زائد ہے۔ ڈالر کے مقابلے میں 133.50 روپے کی شرح تبادلہ پر قدر میں 15 فیصد تک کمی اس میں مزید بگاڑ کا باعث بن سکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ روپے کو ڈالر کے مقابلے میں 150 روپے سے نیچے لانا ہوگا۔ بجٹ خسارے کو 19-2018 میں جی ڈی پی کے 5 فیصد تک کم کرنے کے لئے مالی پالیسی میں متعدد بڑی تبدیلیوں کی ضرورت ہوگی۔ اس کے ساتھ ساتھ شرح سود میں بھی نمایاں اضافہ کرنا ہوگا۔ ان منفی اثرات سے غریبوں کو ممکنہ حد تک محفوظ رکھنے کے لئے کوششیں کرنا ہوں گی۔

5. سرکاری مالیات کا نظم ونسق

الف: ٹیکس اصلاحات: پاکستان میں اس وقت جی ڈی پی میں ٹیکس کا تناسب 13 فیصد ہے۔ 'ٹیکس فرق' کے حجم پر تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جی ڈی پی کے 3 فیصد کے قریب ہے۔ لہٰذا، پوری کوشش کرنا ہوگی کہ ہدف کو بڑھا کر جی ڈی پی میں ٹیکسوں کے تناسب کو 16 فیصد تک لایا جائے۔ بلاواسطہ ٹیکس کل ٹیکس ریونیو کا صرف 34 فیصد بنتے ہیں اور جی ڈی پی کا محض 4.5 فیصد ہیں۔ لہٰذا، مالی کوششوں میں بلاواسطہ ٹیکسوں کے ریونیو کو جی ڈی پی کے تقریباً 2 فیصد تک لانے پر توجہ مرکوز کرنا ہوگی۔ اول، ٹیکس ریونیو بڑھانے کا ایک اہم طریقہ یہ ہے کہ بلاواسطہ ٹیکسوں میں ٹیکس اخراجات واپس لے لئے جائیں۔ دوم، انکم ٹیکس کا بنیادی حلقہ وسیع کرنے اور ٹیکس گوشوارے جمع کرانے والوں میں خاطر خواہ اضافے کی ضرورت ہے جس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کریڈٹ کارڈ کے حامل 2.5 ملین افراد اور زیادہ بل بجلی والے گھریلو صارفین کے لئے ٹیکس گوشوارے جمع کرانا لازمی قرار دے دیا جائے۔ سوم، سیکیورٹیز اور جائیداد کی شکل میں سرمایہ کے منافع پر ٹیکس بنیاد وسیع کرنے کی ضرورت ہے جس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ 'ہولڈنگ' کی مدت کو طول دینے پر اسے ٹیکس کا پابند بنا دیا جائے۔ چہارم، بڑے ٹیکس چوروں کے بارے میں متوازی شواہد حاصل کرنے کے لئے معلومات کے ایک جامع ڈیٹا بیس کی ترویج پر کام کیا جائے۔ پنجم، آڈٹ پالیسی رسک پر مبنی ہونی چاہئے اور اسے گوشوارے کے کم از کم 10 فیصد کا احاطہ کرنا چاہئے۔ سیلز ٹیکس کے معاملے میں اشیاء اور خدمات پر جامع اور باہم مربوط قومی ویلیو ایڈڈ ٹیکس وضع کرنے پر توجہ مرکوز کی جائے۔ ایسی اشیاء پر ایکسائز ڈیوٹیاں نافذ کی جائیں یا بڑھائی جائیں جو صحت کے لئے نقصان دہ ہیں۔ آلودگی پھیلانے والی صنعتوں کو بھی ان میں شامل کیا جائے۔

ب: بجٹ خسارے پر قابو: وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے موجودہ اخراجات مجموعی طور پر بڑھوتری کے رجحان کو ظاہر کرتے ہیں اور 18-2017 میں جی ڈی پی کے 17 فیصد کی بلند ترین سطح کو پہنچ گئے۔ ایک طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ آئندہ دو سالوں کے لئے سرکاری ملازمین کے مشاہرہ میں اضافہ پر پابندی لگا دی جائے جس سے بی پی ایس 16 تک کے نچلے گریڈ کے ملازمین مستثنیٰ ہوں۔ کم از کم 10 فیصد کے روزمرہ اخراجات میں کفایت شعاری اپنا کر وفاقی حکومت کے متفرق اخراجات کو نمایاں حد تک محدود کیا جا سکتا ہے۔ اصل میں اٹھارہویں ترمیم کے بعد وفاقی حکومت کی 'رائٹ سائزنگ' بہت ضروری ہوگئی ہے جس میں ڈویژنوں اور وزارتوں کی تعداد کم ہونی چاہئے اور 200 ملحقہ محکموں اور خودمختار اداروں میں Zero Based بجٹ سازی کا طریقہ اپنا لیا جائے۔ حالیہ سالوں کے دوران دفاعی اخراجات میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے اور مسلح افواج کو بھی اس بات پر مائل کیا جا سکتا ہے کہ وہ اخراجات پر رضاکارانہ پابندیاں لگائیں۔ گرانٹس، جو صوبائی حکومتوں کے لئے لازم نہیں ہیں، میں بھی کمی آنی چاہئے۔ اسٹیٹ بینک کے قرضوں کو قومی معیشت میں 'حق شاہی' (Seignorage) کی حد تک محدود کر کے جی ڈی پی کے تقریباً 1.5 فیصد تک رکھا جائے۔

ج: سرکاری قرضے کی مینجمنٹ: سرکاری قرضوں کی مینجمنٹ میں سنگین نقائص دیکھنے میں آئے ہیں۔ وزارت خزانہ میں سرکاری قرضوں کی مینجمنٹ کی استعداد کو مستحکم بنانے کی اشد ضرورت ہے۔ بلافنڈ قرضوں پر بھی زور بڑھانے کی ضرورت ہے۔ قومی بچت کی سکیموں کو زیادہ پرکشش بنایا جائے اور ان کی رسائی بڑھائی جائے۔

6. وفاق کا استحکام

الف: اٹھارہویں ترمیم پر عملدرآمد: نویں این ایف سی ایوارڈ کے ذریعے صوبوں کو کچھ اضافی وسائل منتقل کئے جا سکتے ہیں جن سے وہ اپنی حدود میں قائم سرکاری یونیورسٹیوں کو فنڈز فراہم کریں۔ اس کے بعد صوبائی ایچ ای سی سرمایہ لگانے کا کام شروع کر سکتے ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے مالیات اور ریگولیشن کے کام الگ الگ ہو جائیں گے یعنی ریگولیشن کی ذمہ داری وفاقی ایچ ای سی کے پاس ہی رہنی چاہئے۔ صوبوں کو منصوبہ سازی کے کام میں مزید خودمختاری دی جا سکتی ہے۔ صرف وہ صوبائی منصوبے منظوری کے لئے اسلام آباد آنے چاہئیں جو یا تو غیر ملکی امداد پر مبنی ہوں یا وفاقی حکومت ان کے اخراجات میں شریک ہو۔ وفاقی اور صوبائی دونوں سطحوں پر 'عوامی' طرز کے سماجی فلاحی پروگراموں کا پھیلاؤ دیکھنے میں آرہا ہے اور بعض جگہ دونوں سطحوں پر ایک ہی جیسے منصوبوں پر کام ہو رہا ہے۔ آئین میں آرٹیکل 140 الف کے شامل ہونے کے بعد اب وقت آگیا ہے کہ خودمختار مقامی حکومتیں قائم کی جائیں جو وسیع نوعیت کے فرائض انجام دیں۔

ب: نواں این ایف سی ایوارڈ: ضرورت اس امر کی ہے کہ وفاقی وزارت خزانہ میں قائم این ایف سی سیکرٹریٹ افقی خطوط پر اپنے ڈیٹا کو اپ ڈیٹ کرے اور اس کے ساتھ ساتھ صوبائی سطح پر آبادی کے ڈیٹا کو بھی اپ ڈیٹ کیا جائے۔ نویں این ایف سی پر مذاکرات کے دوران کسی متنازعہ بحث سے بچنا ہے تو یہ کرنا ہوگا۔ نویں این ایف سی ایوارڈ میں اس بات کو تسلیم کیا جانا چاہئے کہ وفاقی حکومت کی طرف سے منتقلیوں کے بعد صوبائی حکومتیں ان فنڈز کے استعمال میں مکمل طور پر خودمختار ہوں اور اضافی رقوم پیدا کرنے کی لازمی شرط عائد نہ کی جا سکے۔ نویں این ایف سی ایوارڈ کے ذریعے اٹھارہویں ترمیم پر عملدرآمد کا کام مکمل ہونا چاہئے۔ ان باقی امور پر اتفاق ہونا چاہئے جو صوبوں کو منتقل ہونا ہیں اور ایوارڈ میں آئندہ سے صوبائی حکومتوں کی طرف سے انجام کئے جانے والے ان امور کے اخراجات کا بھی خیال رکھا جائے۔ صوبوں میں اداروں کی استعداد میں بھی اضافہ کی ضرورت ہے تاکہ وہ فعال اور مساوی انداز میں خدمات فراہم کر سکیں، جن میں انسانی ترقی کے فروغ سے متعلق خدمات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

7. انسانی ترقی کی رفتار میں تیزی

الف: انسانی ترقی میں پیشرفت: 2017 میں پاکستان کا رینک 189 ممالک میں 150 واں رہا اور انسانی ترقی یا ہیومن ڈویلپمنٹ کی درمیانی سطح والے ممالک میں پاکستان سب سے نیچے تھا۔ جنوبی ایشیا کے ممالک میں بھی اس کا رینک سب سے نیچے ہے۔ 2010 کے بعد سماجی اشاریوں کی بہتری کے رجحان میں نمایاں سستی دیکھنے میں آئی ہے حالانکہ ساتویں این ایف سی ایوارڈ کے بعد صوبوں کو بھاری رقوم منتقل کی گئیں اور صحت و تعلیم کی اصل ذمہ داری انہیں سونپ دی گئی۔ تعلیم کے لئے کل سرکاری اخراجات میں جی ڈی پی کے 1.7 فیصد سے 2.2 فیصد تک اور صحت کے لئے جی ڈی پی کے 0.6 فیصد سے 1.0 فیصد تک اضافہ ہوگیا ہے۔ سرکاری اخراجات کی بلند سطح کے باوجود ہیومن ڈویلپمنٹ انڈکس میں بہتری کی سست رفتار سماجی خدمات میں بجٹ رقوم کی تخصیص میں غلط ترجیحات کا نتیجہ ہے۔ فراہمی خدمات کی کارکردگی پر بھی کمزور طرز حکمرانی، کرپشن اور ضیاع کے ہاتھوں منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ خدمات فراہم کرنے والے افراد کا احتساب بہتر کیا جائے۔ اس پر مقامی حکومتوں کی ضرورت زیادہ اہمیت اختیار کی جاتی ہے

تا کہ وہ بنیادی سماجی خدمات کی مینجمنٹ اور ان پر سرمایہ لگانے کے کام انجام دے سکیں۔

8. عدم مساوات میں کمی

الف: ریاست پر اشرافیہ کا قبضہ: 'اشرافیہ' معاشرے کے امیر اور طاقتور طبقات کا ایک بہت بڑا گروہ ہے۔ 'ریاستی قبضے' کی یہ کارروائی ایسے قواعد، ضوابط اور قوانین کے ذریعے عمل میں آتی ہے جو ان طبقات یا 'مخصوص مفادات' کو خصوصی مراعات سے نوازتے ہیں۔ ان مراعات یافتہ گروہوں میں جاگیردار طبقہ، فوج، ملٹی نیشنل کمپنیاں، سینئر بیوروکریٹ، شہروں میں جائیداد کے مالکان اور ڈویلپر، تاجر برادری، ایم این اے، ایم پی اے اور اس طرح کے لوگ شامل ہیں۔ ریاست پر اس قبضے کی بدولت اشرافیہ جن مراعات کے مزے لوٹتی ہے ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ان طبقات کی تجوریوں میں جانے والی اضافی آمدنی یا دولت میں اضافہ تقریباً 1.5 ٹریلین روپے بنتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ٹیکسوں اور دیگر ریونیوز کا نقصان 300 ارب روپے سے زائد ہے۔ عوام کو غالباً اس وقت کا انتظار کرنا ہوگا جب ریاست کی یہ لوٹ مار جو زیادہ تر قانونی ہوتی ہے، اپنے انجام کو پہنچے گی۔

ب: آمدنی اور دولت کی عدم مساوات: آمدنی کے مختلف ذرائع پر نظر دوڑائیں تو سرفہرست طبقے یا کونٹائل کے حق میں سب سے زیادہ ناہموار تقسیم جائیداد اور آمدنی، پنشن اور بیرون ملک سے ہونے والے ترسیل زر سے متعلق سرمایہ کاری میں نظر آتی ہے۔ اس بناء پر ضروری لگتا ہے کہ جائیداد اور دیگر اثاثوں سے ہونے والی آمدنی اور سرمائے کی مالیت پر بتدریج ٹیکس عائد ہونے چاہئیں۔ زرعی اراضی کی تقسیم پاکستان میں شدید جھکاؤ کا شکار ہے۔ صرف ایک فیصد کسان زرعی اراضی کے 20 فیصد سے زیادہ کے مالک ہیں۔ اراضی کی تقسیم نو سے دیہی غربت میں خاطر خواہ کمی آ جائے گی۔ لیکن اراضی کی اصلاحات اب پالیسی ایجنڈا میں کچھ اتنی فعال نظر نہیں آتیں۔ قدرے کم سختی کا طریقہ یہ ہوگا کہ بتدریج نافذ ہونے والا زرعی انکم ٹیکس وضع کیا جائے۔

ج: بین الصوبائی آمدنی کی عدم مساوات: پاکستان کے چاروں صوبوں کے درمیان فی کس آمدنی کا اچھا خاصا فرق پایا جاتا ہے جس کا اندازہ صوبائی جی ڈی پیز اور آبادی کے تخمینوں سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ سندھ واحد صوبہ ہے جہاں فی کس آمدنی قومی اوسط سے بلند ہے جو 16-2015 میں 22 فیصد تک رہی۔ پنجاب، خیبر پختونخواہ اور بلوچستان کی فی کس آمدنیاں قومی اوسط سے بالترتیب 4 فیصد، 6 فیصد اور 45 فیصد کم رہیں۔ افزائش کی صوبائی حکمت عملیوں میں خاص طور پر ایسے شعبوں کی ترویج پر زور دیا جانا چاہئے جن میں کوئی صوبہ باقی صوبوں کے مقابلے میں برتری کا حامل ہے۔ اس سے ملک کی ترقیاتی استعداد کو بروئے کار لانے کی شرح حتی الوسع حد تک بڑھ جائے گی۔

د: ایچ ڈی آئی میں مکانی تغیرات: ضلعی سطح پر ایچ ڈی آئی میں شدید فرق پایا جاتا ہے۔ صرف تین اضلاع ہیومن ڈویلپمنٹ کی بلند سطح (HDI>0.7) تک پہنچ پائے۔ 21 اضلاع ایچ ڈی آئی کی درمیانی سطح پر ہیں جن میں زیادہ تر یعنی بارہ پنجاب میں ہیں۔ باقی 95 اضلاع ہیومن ڈویلپمنٹ کی پست سطح پر ہیں (HDI<0.5)۔ صوبائی حکومتوں کو اپنی حدود میں واقع پسماندہ اضلاع کی ترقی کے لئے خصوصی پروگرام مرتب کرنا ہوں گے۔ علاوہ ازیں، وفاقی اداروں مثلاً بی آئی ایس پی، پی پی اے ایف، این سی ایچ ڈی اور قومی این جی اوز کو ان پسماندہ اضلاع میں لوگوں کے ساتھ اپنی سرگرمیوں اور ان کی معاونت کو بڑھانا ہوگا۔

ر: شہری اور دیہی کی تقسیم: قومی سطح پر، غالباً یہ بات توقعات کے برعکس بھی ہے، صنعت میں ہونے والی تقریباً 40 فیصد ویلیو ایڈیشن (Value Addition) اور خدمات کی 44 فیصد سرگرمیاں اصل میں دیہی معیشت میں ہو رہی ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ دیہی علاقوں کی اقتصادی بنیاد متنوع ہے جس میں غیر زرعی سرگرمیوں کا حصہ 62 فیصد ہے۔ اس بناء پر ضروری لگتا ہے کہ بنیادی ڈھانچے پر سرمایہ کاری کی جائے اور خدمات کے نیٹ ورک کو ان علاقوں میں پھیلایا جائے۔ لہٰذا کھیت سے منڈی تک سڑکوں، دیہات میں بجلی کی فراہمی اور گیس کنکشنوں کے علاوہ دیہی علاقوں میں فراہمی و نکاسی آب، بنیادی تعلیم اور صحت کی خدمات پر زور دینا ہوگا۔ شہری اور دیہی کے درمیان یہ تقسیم بلوچستان میں سب سے نمایاں ہے جہاں شہری فی کس آمدنی دیہی کے مقابلے میں 169 فیصد زیادہ ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آبادی کی کم گنجانی، زراعت کے لئے پانی کی کم دستیابی اور محدود انسانی سرمایہ کے باعث دیہی علاقوں کی ترقی انتہائی کٹھن کام ہوگی۔ شاید ایک غیر روایتی سی سفارش یہ ہے کہ قصبات کے بکھرے ہوئے نیٹ ورک کو ترقی دی جائے اور ان کی جانب لوگوں کی منتقلی کی حوصلہ افزائی کی جائے تا کہ بڑے پیمانے کی معیشتوں کو حقیقت کا روپ دیا جاسکے۔

9. غربت کا تدارک

الف: شرح غربت: 08-2007 اور 06-2005 میں غربت کی شرح جہاں 47 فیصد تھی وہ کسی حد تک کم ہو کر 16-2015 میں 37 فیصد رہ گئی ہے۔ یہ 1.2 فیصد پوائنٹس کمی کی سالانہ شرح اور غربت و افزائش کی -2 کی لچکدار حیثیت کو ظاہر کرتی ہے۔ اس لچک کی بنیاد پر اندازہ ہے کہ پاکستان میں 18-2017 میں 70 ملین افراد خط غربت سے نیچے زندگی گزار رہے تھے۔

ب: سماجی تحفظ میں توسیع: سماجی تحفظ غریبوں کو معاونت کی فراہمی کے طریقوں کا نام ہے۔ سماجی تحفظ کی تین اقسام ہیں: سماجی بیمہ، سماجی امداد اور فعال لیبر مارکیٹ کے پروگرام۔ پاکستان میں موجود سماجی امداد کے بڑے پروگراموں میں بی آئی ایس پی، زکوٰۃ اور بیت المال کے علاوہ بنیادی اشیائے خورد و نوش اور ضروری استعمال کی اشیاء کی قیمتوں پر سب سڈیز اور حکومت یا او بی آئی کی جانب سے کارکنوں کو پنشن کی شکل میں فراہم کیا جانے والا سماجی تحفظ شامل ہیں۔ لیبر مارکیٹ کا سب سے بڑا پروگرام پی پی اے ایف اور متعدد مائیکرو فنانس بینکوں اور این جی اوز کی جانب سے چھوٹے قرضوں کی فراہمی ہے۔ سماجی تحفظ کے ان پروگراموں کے کل اخراجات 18-2017 میں 624 ارب روپے رہے جو جی ڈی پی کے 1.8 فیصد کے مساوی بنتے ہیں۔ 13-2012 میں یہ جی ڈی پی کا 1.3 فیصد تھے جو اوپر کی طرف رجحان کو ظاہر کرتا ہے۔ مجوزہ اصلاحاتی ایجنڈا میں پہلا کام تو یہ ہے کہ بی آئی ایس پی کی کوریج بڑھا کر اسے کل 11 ملین غریب گھرانوں میں سے 8 ملین گھرانوں تک پہنچایا جائے۔ دوسرا، ای او بی آئی پنشن کی کم سے کم رقم بڑھانے اور ذاتی روزگار والے کارکنوں کو چندے کی بنیاد پر شامل ہونے کی دعوت دینے پر غور کرسکتا ہے۔ پاکستان کے تارک وطن کارکنوں کے لئے بھارت کی ایس ایل آئی سی کی طرز پر خصوصی پنشن سکیم وضع کی جاسکتی ہے۔ تیسرا، کسی منظور شدہ تکنیکی یا پیشہ ورانہ تربیتی ادارے سے ڈپلومہ کے حامل افراد کو خود کار نظام کے تحت چھوٹے قرضوں تک رسائی دی جاسکتی ہے۔ ان کی تربیت میں 'انٹرپرینیورشپ' (Entrepreneurship) اور چھوٹے پراجیکٹ کی فزیبلٹی رپورٹ کی تیاری کا ماڈیول بھی شامل ہونا چاہئے۔ چوتھا، کمرشل بینکوں اور دیگر مالیاتی اداروں کے لئے ایک ٹیکس کریڈٹ سکیم متعارف کرائی جاسکتی ہے جو پی پی اے ایف اور مائیکرو فنانس بینکوں جیسے بڑے پیمانے پر کام کرنے والے مائیکرو کریڈٹ اداروں کو دیئے جانے والے قرضے میں اضافے کا پانچ فیصد ہوسکتی ہے۔

10. طرز حکمرانی میں بہتری

الف: عمدہ معاشی طرز حکمرانی: معاشی پالیسی سازی کے عمل کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ نیشنل اکنامک کونسل (این ای سی) کے اعلیٰ ترین ادارے کو تمام حلقوں سے مل کر پالیسی اور اصلاحات کے اہم امور مثلاً برآمدی افزائش، وسائل کی فعالی، وغیرہ پر توجہ مرکوز کرنی چاہئے۔ اس سے پہلے اقتصادی مشیران کی ایک کونسل میں تجاویز کا جائزہ لیا جاسکتا ہے جس کے سربراہ وزیر اعظم ہوں اور جس میں باہر سے اقتصادی ماہرین کی نمائندگی شامل ہو۔ پلاننگ کمیشن کو محض منصوبوں کی منظوری دینے والے ادارے تک محدود نہیں رہنا چاہئے بلکہ حکومت کے اپنے پالیسی تھنک ٹینک کا کردار ادا کرنا چاہئے۔ بجٹ سازی کے عمدہ طریقوں پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ پالیسی میں تسلسل خاص طور پر ناگزیر ہے تا کہ سرمایہ کاروں کے ذہنوں میں پائی جانے والی بے یقینی کو دور کیا جاسکے۔ وسیع تر عوامی مفاد کو ہر حال میں تحفظ دیا جائے۔ عمدہ اقتصادی طرز حکمرانی کا بڑا امتحان یہ ہے کہ یہ بحرانوں کی پیش بینی اور ان سے نمٹنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ جلد انتباہ کے نظام موجود ہوں، فوری پالیسی جوابی اقدامات کئے جائیں اور بحران کے اثرات کم یا دور کرنے کے لئے ٹھوس اقدامات پر آمادگی موجود ہو۔ اگلی شرط سیاسی قیادت

اور مختلف سطح کی بیوروکریسی کی دیانتداری ہے۔ خدمات کی موثر فراہمی کامیاب طرز حکمرانی کے لئے ایک اہم بنیادی شرط ہے۔ آخری بات، اقتصادی طرز حکمرانی کا ایک اہم جزو پالیسی فیصلوں میں خودمختاری کی موجودگی ہے۔ نئی حکومت آئی ایم ایف کے ساتھ نئے پروگرام پر مذاکرات شروع کرنے والی ہے۔ اسے چاہئے کہ مکمل سوچ بچار کے بعد اپنا ایک اصلاحات کا مجموعہ تیار کرے اور پروگرام میں اسے شامل کرنے کے لئے مذاکرات کرے۔ اس سے اصلاحات میں پہل کا کام حکومت کے حصے میں ہی رہے گا اور عملدرآمد کی ترغیب میں اضافہ ہوگا۔

ب: چوکس ریگولیٹری اتھارٹیز: ریگولیٹری اداروں کی کارکردگی بہتر بنانے کے لئے درج ذیل اصلاحات کی ضرورت ہے: i) ریگولیٹری اداروں کو صحیح معنوں میں خودمختار ہونا چاہئے۔ ii) بورڈ کے ارکان کی تقرری وزراء کے ہاتھ میں نہ ہو بلکہ سینیٹ کی ایک سلیکٹ کمیٹی کے ذریعے ان کی توثیق کی جائے۔ iii) دفتر محتسب اور ریگولیٹری اداروں کے کردار میں کچھ ابہام پایا جاتا ہے۔ اس کی وضاحت کی جائے اور کردار واضح طور پر طے کر دیئے جائیں۔ iv) تمام وفاقی ریگولیٹری اداروں کی سالانہ رپورٹیں مشترکہ مفادات کونسل میں پیش کی جائیں جو ان پر ایک رپورٹ پارلیمنٹ کو پیش کرے۔ مشترکہ مفادات کونسل کا اجلاس باقاعدگی سے سہ ماہی بنیاد پر منعقد کیا جائے۔ وفاقی ریگولیٹری اداروں کے تمام بورڈز میں ہر صوبے کو نمائندگی دی جائے۔ ان اداروں خاص طور پر نیپرا اور اوگرا جیسے خصوصی خدمات سے متعلق اداروں کی تکنیکی استعداد میں بہتری کی ضرورت ہے۔ صوبائی ریگولیٹری اداروں کی کارکردگی میں بھی خاص طور پر ماحولیاتی تحفظ کے شعبے میں خاطر خواہ حد تک بہتری لانے کی ضرورت ہے۔

ج: مضبوط مقامی حکومتوں کا قیام: مقامی حکومتوں کا کام بنیادی خدمات کی فراہمی میں نچلی سطح پر لوگوں کی شمولیت اور احتساب یقینی بنانے کے نقطہ نظر سے انتہائی اہم ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل اصلاحات کی سفارش کی جاتی ہے: i) سپریم کورٹ سے اس بارے میں فیصلہ دینے کی درخواست کی جا سکتی ہے کہ آیا مختلف صوبوں کے مقامی حکومتوں کے موجودہ قوانین آرٹیکل 140 الف کی دفعات پر پورا اترتے ہیں۔ اس کی روشنی میں نئے قوانین تیار کئے جا سکتے ہیں۔ ii) خیبر پختونخواہ کے مقامی حکومت کے نظام کی طرح بنیادی میونسپل خدمات کے ساتھ ساتھ پرائمری و سیکنڈری تعلیم، ہسپتالوں، کلینک اور پبلک ٹرانسپورٹ کے امور بھی مقامی حکومتوں کے دائرہ کار میں لائے جائیں۔ iii) مستقبل کے این ایف سی ایوارڈز میں ریونیوز کی طے شدہ منتقلی کے لئے خصوصی دفعہ شامل کی جائے۔ iv) صوبائی مالیاتی کمیشن، جن کے سربراہ صوبائی وزیر خزانہ ہوں، میں صوبائی اور مقامی اہلکاروں کی نمائندگی متوازن ہونی چاہئے۔ براہ راست منتقلی سمیت ہدف یہ ہونا چاہئے کہ صوبائی ریونیوز کا کم از کم 30 فیصد مقامی حکومتوں کو منتقل کیا جائے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ اصلاحاتی ایجنڈا جامع اور بلند نظر ہے۔ اس ایجنڈا پر عملدرآمد سے پاکستان میں سب کی شمولیت پر مبنی، تیز اور پائیدار افزائش یقینی بنائی جا سکتی ہے۔

ڈاکٹر اکمل حسین

ممتاز پروفیسر و ڈین، انفارمیشن ٹیکنالوجی یونیورسٹی، لاہور
کو-چیئر، گورننگ بورڈ، ساؤتھ ایشیا سنٹر فار پالیسی سٹڈیز
ماہر اقتصادیات، مصنف، سماجی کارکن

پی ٹی آئی کی نئی حکومت نے ماضی کی روش سے ہٹ کر اعلان کیا ہے کہ انسانی ترقی یا ہیومن ڈویلپمنٹ کو اس کی معاشی حکمت عملی میں مرکزی حیثیت حاصل ہوگی۔ ایک دلیل یہ ہوسکتی ہے کہ انسانی صلاحیتوں کی ترویج پر زور دے کر افراد کو ایسی زندگی گزارنے کے قابل بنایا جاسکتا ہے جسے وہ بامعنی سمجھیں۔ اس عمل میں کاروبار، جدت اور تخلیقیت کے لئے قوم کی استعداد کو حقیقت کا روپ دیا جاسکتا ہے جس سے نہ صرف معیشت بلکہ انسانی تہذیب کو بھی فروغ ملے گا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے درکار معاشی حکمت عملی کے تحت افزائش کے ایک نئے عمل پر کام کیا جائے گا جو برابری اور پائیدار ترقی کے لئے سازگار ماحول کے تحفظ پر مبنی ہوگا۔[1] زیرنظر تحریر[2] میں پائیدار اور باہمی ترقی کا عمل شروع کرنے کے لئے چار مخصوص پالیسی اقدامات پر بات کی جائے گی۔

ہر جگہ، سب کو صحت، تعلیم اور سماجی تحفظ کی فراہمی

اگر آپ انسانوں کو ترقی کی قوت محرکہ بنانا چاہتے ہیں تو تمام شہریوں کے لئے معیاری حفظان صحت، معیاری تعلیم اور سماجی تحفظ کی فراہمی اس کی ایک لازمی شرط ہے اور اس سماجی تحفظ میں پنشن کے ریاستی نظام اور بیروزگاری مراعات بھی شامل ہونی چاہئیں۔ یہ خدمات انسانی صلاحیتوں کی ترویج کے لئے اہم ہیں۔

بنیادی خدمات، انسانی صلاحیتیں اور معاشی افزائش:

ایک دلیل یہ دی جاسکتی ہے کہ ایسی معیشت اور معاشرت جس میں انسانی صلاحیتوں کی ترویج کے لئے سازگار حالات کو باقاعدہ اداروں کی شکل دے دی گئی ہو، اس میں انسانی فلاح بہتر اور طویل مدتی افزائش بلند ہو گی۔ اس کا سبب محض یہ ہے کہ اگر تمام شہریوں کو اپنی استعداد کو حقیقت کا روپ دینے کا موقع میسر ہو اور اداروں کے ڈھانچے انہیں اس قابل بنائیں کہ وہ اپنی ان صلاحیتوں کے مطابق ذرائع معاش اپنا سکیں تو طویل مدتی پیداواری افزائش اور یوں معاشی افزائش کو بھی پائیدار شکل دی جاسکتی ہے۔

ریاست، معاشرت اور معیشت کے لئے مضمرات:

ان بنیادی خدمات کی ہر جگہ، سب کو فراہمی ریاست، معاشرت اور معیشت کے لئے بھی مضمرات کی حامل ہے: (i) تمام شہریوں کے لئے ان خدمات کی بدولت برابری کو فروغ ملے گا جو بذات خود ہمارا ایک مقصد ہے۔ یہ جمہوری ریاست اور سماجی انصاف کے آئیڈیا کا بھی ایک جزو لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برابری بذات خود پاکستان کے وژن[3] اور بلاشبہ اس کے آئین[4] کا بھی حصہ ہے۔ (ii) یہ سماجی یکجہتی پیدا کرنے میں مدد دیتے ہیں جو معاشرے کے استحکام اور بیرونی دھچکوں کی صورت میں مقابلے کی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے۔ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ سماجی یکجہتی طویل مدتی معاشی افزائش کو پائیدار بنانے میں بھی کلیدی عامل کا کردار ادا کرتی ہے۔ (iii) ہر جگہ، سب کو صحت اور تعلیم کی فراہمی کا معاشی افزائش کے ساتھ براہ راست تعلق ہے۔ معاشرے کی افرادی قوت اگر صحت مند ہو اور اعلیٰ معیاری تعلیم کی حامل ہو تو باہمی شمولیت پر مبنی اداروں کا ڈھانچہ ملنے پر ملازمت یا کاروبار کرنے والے افراد کی پیداواری صلاحیت بہت بہتر ہو جائے گی اور یوں طویل مدتی معاشی افزائش کی بنیاد استوار ہوگی۔

کیا پاکستان سب کو، ہر جگہ صحت اور تعلیم فراہم کرنے کی استطاعت رکھتا ہے؟

اس پالیسی پر کام کرنے والے ممالک کے تاریخی تجربہ کی روشنی میں دیکھیں تو یہ سوچنا غلط ہوگا کہ پاکستان سب کو، ہر جگہ صحت اور تعلیم فراہم کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ کئی ممالک جنہوں نے سب کو، ہر جگہ صحت، تعلیم اور سماجی تحفظ کی فراہمی کی بنیاد پر بلند معاشی افزائش کو پائیدار بنایا ہے انہوں نے ایک ایسے وقت پر یہ خدمات فراہم کرنے کے پختہ عزم کا مظاہرہ کیا جب ان کی فی کس آمدنی اس سے کم تھی جتنی آج پاکستان کی ہے۔ مثال کے طور پر جاپان نے انیسویں صدی کے وسط میں میجی خاندان کی بادشاہی میں، جرمنی نے انیسویں صدی کے اواخر میں بسمارک کی زیر قیادت، سکینڈے نیویا کے ممالک نے بیسویں صدی کے اوائل میں اور چین نے بیسویں صدی کے وسط میں یہ کر دکھایا۔

پاکستان کی فی کس آمدنی گیری خامس (جی کے)، 1990 ڈالر کے پیمانے کے مطابق 2010 میں 2,494 امریکی ڈالر تھی۔ اس کے برعکس ناروے کی فی کس آمدنی 1848 میں 912 امریکی ڈالر فن لینڈ کی 1866 میں 958 امریکی ڈالر، سویڈن کی 1891 میں 1856 امریکی ڈالر اور جرمنی کی فی کس آمدنی 1880 میں 1991 امریکی ڈالر تھی۔[5]

قلت آب کا چیلنج اور اس کے ازالہ کی پالیسیاں

پاکستان کو اس وقت آبی بحران کا سامنا ہے۔ پانی کی فی کس دستیابی 1951 میں 5,000 مکعب میٹر فی کس تھی جو آج کم ہو کر 1,100 مکعب میٹر فی کس سالانہ تک رہ گئی ہے۔ پانی کی کم دستیابی کا یہ مسئلہ نظام آبپاشی کی پست کارکردگی اور پانی کا عمدہ استعمال، جو دنیا میں سب سے پست ہے، نہ ہونے کی وجہ سے دوچند ہو گیا ہے۔ نظام آبپاشی کی مجموعی کارکردگی 36 فیصد ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ دریاؤں سے نکالا جانے والا 64 فیصد پانی کھیت تک پہنچنے کے سفر میں ضائع ہو جاتا ہے۔ پانی کے عمدہ استعمال کے اعتبار سے دیکھیں (پانی کی معاشی پیداواری صلاحیت) تو پاکستان میں فی ایکڑ فٹ پانی سے ہونے والی زرعی پیداوار کی مالیت 250 ڈالر ہے جبکہ کیلی فورنیا میں یہی مالیت 3,000 ڈالر ہے۔[6] اس پر مستزاد یہ کہ نظام آبپاشی کو بگڑنے کا پورا موقع فراہم کیا گیا ہے کیونکہ آبی بنیادی ڈھانچے کی مرمت و دیکھ بھال کے لئے مختص کئے جانے والے فنڈز 600 ملین ڈالر کی سالانہ ضرورت کا محض 5 سے 10 فیصد ہیں۔ آبی بنیادی ڈھانچے کی دیکھ بھال اور اسے برقرار رکھنے میں پاکستان کی ناکامی ایک سنگین کوتاہی ہے کیونکہ ان اثاثوں کا متبادل تیار کرنے کی لاگت 60 ارب ڈالر ہے۔[7]

قلت آب کا مقابلہ کرنے کے لئے پالیسی سازی میں ایک نئے طرز فکر کی ضرورت ہے جس میں پانی کو ایک سرمائے کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور اس کے پالیسی فریم ورک میں پانی ذخیرہ کرنے، نظام آبپاشی میں دوران ترسیل پانی کا ضیاع کم کرنے، زمینی پانی کے وسائل زیادہ عمدہ طریقے سے استعمال کرنے، کھیت میں آبپاشی کا پانی استعمال کرنے کے طریقوں میں بہتری لانے اور پانی کی پیداواری صلاحیت بڑھانے یعنی پانی کی ایک اکائی سے حاصل ہونے والے جی ڈی پی میں اضافہ پر توجہ مرکوز کی جاتی ہے۔ ان سٹریٹجک مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے پاکستان کو اپنے آبی بنیادی ڈھانچے کی بحالی اور نظم ونسق کا ایک جامع منصوبہ مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل پالیسی اقدامات کی ضرورت ہوگی:

i. عالمی حدت کے پیش نظر دریائی بہاؤ میں اوسطاً کمی آنا شروع ہو گئی ہے۔ اس بناء پر ریاست اور معاشرے کے لئے پانی ذخیرہ کرنے کی صلاحیت بڑھانا لازم ہو گیا ہے۔ فی الوقت سالانہ دریائی بہاؤ کا صرف 15 فیصد ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ پاکستان کو دستیاب تازہ پانی کے کل 145 ایم اے ایف میں سے 31 ایم

---

1 اس حکمت عملی کی مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: اکمل حسین و دیگر، Inclusive and Sustainable Development, Analytical Basis and Policy Framework، یو این ڈی پی، اسلام آباد، 2018۔ جو یہاں سے دستیاب ہے:
http://www.pk.undp.org/content/dam/pakistan/docs/DevelopmentPolicy/Inclusive%20and%20Sustainable%20Development.pdf

2 اس تحریر کا زیادہ تر حصہ اکمل حسین کی اس تحریر سے اخذ کیا گیا ہے: A Framework for Inclusive Development: Growth through Equity۔ باب 2، یو این ڈی پی رپورٹ، بمطابق سابقہ حوالہ، 2018۔

3 قائداعظم محمد علی جناح، برابری کو پاکستان کا بنیادی اصول سمجھتے تھے۔ 26 مارچ 1948 کو پٹنا کالج میں ایک عوامی جلسے سے خطاب کے دوران قائداعظم نے فرمایا: ''انسانی ترقی، سماجی انصاف، برابری اور بھائی چارے کے عظیم آدرش قیام پاکستان کے اصل اسباب ہیں...''

4 دولت اور پیداواری اثاثوں کے ارتکاز کو روکنے کی آئینی شرط کے طور پر آئین کے آرٹیکل 38 (الف) میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ: ''ریاست عام آدمی کے معیار زندگی کو بلند کرکے دولت اور وسائل کی پیداوار و تقسیم کو چند اشخاص کے ہاتھوں میں اس طرح جمع ہونے سے روک کر کہ اس سے مفاد عامہ کو نقصان پہنچے اور آجر و ماجور اور زمیندار اور مزارع کے درمیان حقوق کی منصفانہ تقسیم کی ضمانت دے کر بلاالتفات جنس، ذات، مذہب یا مسلک، عوام کی فلاح و بہبود کے حصول کی کوشش کرے گی''۔ آمدنی کی عدم مساوات کم کرنے کی ذمہ داری آئین کے آرٹیکل 38 (د) میں ان الفاظ میں طے کی گئی ہے: ''ریاست پاکستان کی ملازمت کے درجات میں امتیاز، افراد کی آمدنی اور کمائی میں عدم مساوات کو کم کرے گی''۔

5 فی کس آمدنی کے تخمینے ڈی میڈیسن پراجیکٹ کے ڈیٹا سیٹ سے لئے گئے ہیں اور گیری خامس انٹرنیشنل 1990 ڈالر کے اعتبار سے ہیں۔ گیری خامس کے طریقے میں کرنسی کی ایک فرضی اکائی استعمال کی جاتی ہے جس کی قوت خریدی برابری وہی ہوتی ہے جو کسی خاص وقت پر امریکہ میں امریکی ڈالر کی تھی۔

6 خالد محمد اللہ، A Policy Framework for Addressing Pakistan's Water Crisis، باب 6، یو این ڈی پی، رپورٹ، Inclusive and Sustainable Development: Analytical Basis and Policy Framework، یو این ڈی پی، اسلام آباد، 2018۔ مکمل رپورٹ یہاں دیکھی جاسکتی ہے:
http://www.pk.undp.org/content/dam/pakistan/docs/DevelopmentPolicy/Inclusive%20and%20Sustainable%20Development.pdf

7 خالد محمد اللہ، ایضاً

ii. اے ایف پانی سمندر میں بہا دیا جاتا ہے۔[8] یہ بات تو طے ہے کہ مزید بڑے، درمیانے اور چھوٹے ڈیم کسی تاخیر کے بغیر تعمیر کرنا ہوں گے جو وقت آنے پر پن بجلی کے طریقے سے سستی بجلی پیدا کرنے کے کام بھی آئیں گے۔

iii. نظام آبپاشی میں ڈالے جانے والے 102 ایم اے ایف میں سے 64 فیصد کے لگ بھگ پانی کھیت کو ترسیل کے دوران ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ نہروں کی دیکھ بھال ناقص ہے اور آبی راستوں کو سیدھا نہیں کیا گیا۔ کھیت تک پہنچنے والے پانی کا بڑا حصہ کھیت میں پانی کے ناقص نظم ونسق کی وجہ سے ضائع ہو جاتا ہے۔ آبی قلت کی اس صورتحال میں پانی کے اس ضیاع کو روکنے کے لئے درج ذیل اقدامات کرنا از حد ضروری ہے: (الف) آبپاشی کے بنیادی ڈھانچے کی بہتر مرمت و دیکھ بھال کے لئے درکار 600 ملین ڈالر سالانہ میں سے اس مقصد کے لئے مختص کی جانے والی رقوم بڑھائی جائیں۔ ان فنڈز کو نہروں کے کنارے مضبوط بنانے اور جہاں کہیں ممکن ہو، نہروں کے کنارے درخت لگانے اور انہیں سیدھا کرنے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پانی کے راستوں کو منحرف (Trapezium) نما شکل میں سیدھا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ آب خیزی سے پانی کا نقصان کم ہو۔ (ب) کھیتوں میں پانی کا ذخیرہ کم کرنے کے لئے کسانوں کو لیزر لیولنگ (Laser Levelling) اور ڈرپ اریگیشن (Drip Irrigation) کے طریقے اپنانے کے قابل بنایا جا سکتا ہے۔

iv. کسانوں کو نظام آبپاشی سے ملنے والے پانی کی قلت کے باعث زمینی پانی کے استعمال پر انحصار بڑھ رہا ہے۔ اس وقت کسان اپنی 50 فیصد تک ضرورتیں اندھا دھند زمینی پانی نکال کر پوری کر رہے ہیں۔ آبی جدول میں زہریلے کیمیکلز کی ملاوٹ اس بیش قیمت نعمت کو خطرات سے دوچار کر رہی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ زمینی پانی کے وسائل کو معقول معاشی اصولوں اور ماحول کی پائیداری کی روشنی میں عمدہ طریقے سے استعمال کیا جائے۔

v. پانی کی قلت کے پیش نظر ضروری ہو گیا ہے کہ اس وقت فی اکائی پانی سے حاصل ہونے والے جی ڈی پی کو بڑھایا جائے۔ پاکستان میں پانی کی پیداواری صلاحیت کا تناسب دنیا میں سب سے کم ہے اور فی ایکڑ فٹ پانی سے جو زرعی پیداوار حاصل کی جا رہی ہے اس کی مالیت صرف 250 ڈالر ہے جبکہ کیلی فورنیا میں یہی تناسب 3,000 ڈالر ہے۔[9]

پاکستان کی پن بجلی کی استعداد اور تلچھٹ کا مسئلہ

پاکستان میں ایک لاکھ میگاواٹ تک پن بجلی پیدا کرنے کی وسیع استعداد موجود ہے جسے خاطر خواہ حد تک بروئے کار نہیں لایا گیا کیونکہ کئی دہائیوں سے ڈیموں کی تعمیر تاخیر کا شکار ہے جن سے نہ صرف آبپاشی کے پانی کی دستیابی میں اضافہ ہوگا اور روزگار و آمدنی کے مواقع پیدا ہوں گے بلکہ سستی بجلی بھی میسر ہوگی جس سے برآمدی منڈی میں پاکستان کی مسابقتی حیثیت بہتر ہوگی اور شہریوں کو بجلی کی قلت کے روگ سے چھٹکارا ملے گا۔

ڈیموں میں پانی ذخیرہ کرنے میں بڑی رکاوٹ اور پن بجلی کے لئے ٹربائنوں کے استعمال سے ذخائر کی استعداد کم ہو رہی ہے کیونکہ تلچھٹ (Sedimentation) بڑھ رہی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہر سال 0.35 ایم اے ایف تلچھٹ سندھ اور اس کی ذیلی نہروں کے ساتھ آتا ہے جس میں سے 60 فیصد اس میں رہ جاتا ہے۔ ڈیموں میں تلچھٹ کی وجہ سے سال 2010 تک ذخیرہ کی کل خام استعداد میں سے 5.9 ایم اے ایف کی استعداد ضائع ہو چکی تھی۔ یہ بڑی تشویش ناک بات ہے کہ تلچھٹ کے باعث تربیلا اور منگلا کی ذخیرہ کرنے کی استعداد سال 2020 میں 33 فیصد تک کم ہو سکتی ہے۔[10]

تلچھٹ کم کرنے کے لئے فوری اقدامات کرنا ہوں گے جو پانی کی قلت کا شکار اس ملک کے لئے مزید مشکلات پیدا کر رہی ہے۔ لہٰذا جنگلات میں کمی کی رفتار جو اس وقت سات ہزار سے نو ہزار ہیکٹر سالانہ ہے، کو روکنا ہوگا اور جنگلات کے رقبے کو خاص طور پر بالاس کے علاقوں میں بڑھانا ہوگا۔

موجودہ ڈیموں کو اس تباہ کن تلچھٹ سے محفوظ رکھنے کا ایک اور پالیسی اقدام یہ ہو سکتا ہے کہ بہاؤ کے مخالف ڈیم (Upstream Dam) بنائے جائیں جس کی ایک مثال بھاشا ڈیم ہے جس سے تربیلا ڈیم کا عرصہ حیات چالیس سال تک بڑھ جائے گا۔[11]

مساوات کے ذریعے پائیدار افزائش کا حصول

معاشیات کی روایتی سوچ میں عدم مساوات کو افزائش کے لئے کم از کم اس کے ابتدائی مراحل میں لازم سمجھا جاتا تھا۔ اس کے پیچھے یہ خیال کارفرما تھا کہ امیر بچت کر سکتے ہیں اور اپنی آمدنی کے بڑے حصے سے سرمایہ کاری کر سکتے ہیں جس سے افزائش بڑھتی ہے۔ حالیہ تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ کم اور متوسط آمدنی والے طبقات کو بھی سرمایہ کاری کے مواقع فراہم کر دیئے جائیں تو وہ بھی بچت کر سکتے ہیں۔ اس کے برعکس اب یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ برابری یا مساوات قائم کر کے بلند اور زیادہ پائیدار معاشی افزائش کا حصول ممکن ہے۔ اس کے لئے اداروں کا ایک ایسا ڈھانچہ تشکیل دیا جا سکتا ہے جس کے ذریعے متوسط اور کم آمدنی والے طبقات پیداواری اثاثوں، قرضوں اور مہارتوں کی تربیت تک رسائی حاصل کر سکیں اور انہیں اجناس اور پیداوار کی منڈیوں تک مساویانہ رسائی میسر ہو۔

مساوات کے ذریعے بلند افزائش کا ایک خاکہ درج ذیل عناصر کو ملا کر تیار کیا جا سکتا ہے:

1. چھوٹے اور درمیانے کسانوں کی زرعی سرگرمیوں کی افزائش کی حکمت عملی

پیداوار میں بڑھتا اتار چڑھاؤ اور فصلوں کے شعبے کی افزائش میں زوال کا رجحان پاکستان کی زرعی افزائش کا خاصہ رہا ہے۔ 1960 کی دہائی کے وسط سے اشرافیہ کسانوں کی افزائش کی حکمت عملی پر عمل کیا جا رہا ہے۔ اس نے دیہی علاقوں میں عدم مساوات بڑھانے کے ساتھ ساتھ فصلوں کے شعبے کی شرح افزائش میں زوال کے رجحان میں کلیدی کردار ادا کیا ہے کیونکہ بڑے کسانوں کی پیداواری استعداد اپنی آخری حد کو پہنچ گئی ہے اور پیداوار میں استعمال ہونے والی اشیاء کی پیداواری صلاحیت کم ہو رہی ہے۔ اس وقت کھیتوں کی کل تعداد کے تقریباً 94 فیصد اور کل کاشت کاری رقبہ کے 60 فیصد سے زائد پر 25 ایکڑ سے کم رقبہ والے کاشت کار کام کر رہے ہیں۔ لہٰذا واضح ہو جاتا ہے کہ زرعی افزائش کو بڑھانا اور اسے پائیدار بنانا ہے تو چھوٹے اور درمیانے کاشت کار طبقے (25 ایکڑ سے کم) کی خاطر خواہ پیداواری استعداد کو بروئے کار لانا ہوگا۔ وقت کا تقاضا ہے کہ زرعی افزائش کے اس سفر کا رخ موڑا جائے اور چھوٹے اور درمیانے کاشت کاروں کی افزائش کی نئی حکمت عملی اپنائی جائے۔

اس مقصد کی جانب سب سے اہم قدم چھوٹے کسانوں کو اس قابل بنانا ہے کہ ایک طرف وہ زمین کی ملکیت حاصل کر سکیں اور دوسری جانب اسے عمدہ طریقے سے استعمال کر سکیں۔ اس حکمت عملی کے چار عناصر ہوں گے: (i) اس شعبے کے بے زمین ہاری گھرانوں کو زمین حاصل کرنے کے قابل بنایا جائے۔ ہاریوں کی پیداوار بڑھانے میں ایک شدید رکاوٹ یہ ہے کہ ان کی تقریباً نصف پیداوار زمیندار لے جاتا ہے، اس لئے چھوٹے ہاریوں کے لئے نہ تو اس میں کوئی مراعات ہیں اور نہ ہی وہ اس قابل ہیں کہ فی ایکڑ پیداوار بڑھانے پر سرمایہ لگا سکیں۔ (ii) اعلیٰ معیار کے بیج عام طور پر چھوٹے کاشت کاروں کی پہنچ سے باہر ہوتے ہیں۔ یہی حال زمین کی ٹیسٹنگ کا ہے جس سے زمین کی ضرورت کے مطابق کھادوں کی کیمیائی ترکیب کا تعین ہوتا ہے۔ موزوں معیار اور قسم کی کیڑے مار ادویات کا بھی یہی حال ہے۔ اعلیٰ معیار کی یہ اشیاء چھوٹے کاشت کاروں کی پہنچ میں لانے کے لئے باقاعدہ ادارے کی شکل میں ایک موزوں نظام کی ضرورت ہے۔ (iii) پانی کی قلت کے پیش نظر پانی کی کارکردگی بڑھانے والی ٹیکنالوجیز بھی زیادہ تر چھوٹے کاشت کاروں کی رسائی سے باہر ہیں اور نہ ہی بلند قیمت فصلیں اگانے کی ٹیکنالوجیز ان کے بس میں ہیں۔ (iv) چھوٹے کاشت کاروں کو منڈیوں تک بھی مساویانہ رسائی میسر نہیں ہے کیونکہ جن علاقوں میں مقامی سطح پر طاقت کے بے جوڑ ڈھانچے موجود ہیں وہاں بڑے زمینداروں نے منڈیوں کا ماحول بھی اپنے حق میں بنا لیا ہے۔

تجویز یہ ہے کہ 26 لاکھ ایکڑ زرعی اراضی جو اس وقت ریاست کی ملکیت ہے، بے زمین ہاریوں میں تقسیم کر دی جائے اور ہر گھرانے کو 5 ایکڑ اراضی دی جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو 25 ایکڑ سے کم اراضی والے 58 فیصد کاشت کار جو اس وقت بے زمین ہیں، زمین کے مالک بن جائیں گے۔ اراضی کی منڈی میں موزوں ادارہ جاتی تبدیلیوں کے بعد باقی 42

8 انجینئر مشتاق احمد، روزنامہ دی نیشن، 14 فروری 2017
9 خالد محمد اللہ، بطابق سابقہ حوالہ
10 امتیاز قربلباش، Institutional Constraints in the Utilization of Pakistan's Hydro-Power Potential، باب 7، یو این ڈی پی رپورٹ، بطابق سابقہ حوالہ
11 امتیاز قربلباش، ایضاً

فیصد بے زمین ہاریوں کو قرضے دیئے جائیں جس سے وہ اپنی پانچ پانچ ایکڑ اراضی خرید سکیں۔ اس سلسلے میں بے زمین ہاریوں کے لئے 350 ارب روپے کا قرضہ فنڈ قائم کرنے کی ضرورت پڑے گی۔ اس طرح ایک ادارہ جاتی بنیاد وجود میں لائی جا سکتی ہے جو بے زمین ہاریوں کو اپنی زمین کا مالک بنائے گی اور یوں چھوٹے کاشت کار طبقے کو فی ایکڑ پیداوار بڑھانے کی رعایت اور صلاحیت دونوں مل جائیں گی۔[12]

2. 'سمال فارمر ڈویلپمنٹ کارپوریشن' (ایس ایف ڈی سی) کے ذریعے چھوٹے اور درمیانے کاشت کاروں کی افزائش میں تیزی

25 ایکڑ سے کم اراضی والے کاشت کاروں کو دیئے جانے والے قرضے شروع میں ایک 'ایکوئٹی' (Equity) کے طور پر انفرادی کاشت کاروں کے نام سے ایس ایف ڈی سی میں رکھے جا سکتے ہیں جو اعلیٰ قابلیت کے حامل پیشہ ورانہ ماہرین کی سرکردگی میں کام کرنے والی پبلک لمیٹڈ کمپنی ہوگی۔ ایس ایف ڈی سی سے حاصل ہونے والا منافع حکومت کو ان قرضوں کی واپسی کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے جو چھوٹے کاشت کاروں کو ایکوئٹی کے طور پر دیئے گئے تھے۔

ایس ایف ڈی سی چھوٹے کاشت کاروں کی فی ایکڑ پیداوار بڑھانے اور ان کی پیداواری سرگرمیوں کو ڈیری، گوشت کی پیداوار اور ماہی گیری جیسے برآمدی شعبوں میں وسعت دینے کے مقاصد کے تحت درج ذیل امور انجام دے سکتی ہے۔ ان مقاصد کے سلسلے میں ایس ایف ڈی سی درج ذیل فرائض کی انجام دہی کے ذریعے چھوٹے کاشت کاروں کو باہم مربوط معاون خدمات فراہم کرے گی:

i. اراضی کا بہتر استعمال جس میں پانی کے عمدہ استعمال کے لئے لیزر لیولنگ بھی شامل ہے۔

ii. پانی کی کارکردگی بہتر بنانے کے لئے ڈرپ اریگیشن۔

iii. چھوٹے کاشت کاروں کو زمین کی ٹیسٹنگ اور مرکب کھادوں کی فراہمی تاکہ وہ مختلف کھادوں کی کیمیائی ترکیب اپنی زمین کی ضرورت کے مطابق تیار کر سکیں۔

iv. اعلیٰ معیار کے بیجوں اور موزوں کیڑے مار ادویات کی فراہمی۔

v. قرضوں کی فراہمی اور منڈیوں تک مساویانہ رسائی۔

vi. کاشت کاری کے طریقے بہتر بنانے اور نئی ٹیکنالوجیز مثلاً غیر موسمی سبزیاں اور پھول اگانے کے لئے 'ٹنل فارمنگ' (Tunnel Farming) اور شہد کی پیداوار کے لئے شہد کی مکھیوں کی پرورش، اپنانے کے لئے توسیعی خدمات کی فراہمی۔

vii. چھوٹے کاشت کاروں کو زیادہ قیمت والے پھلوں اور سبزیوں کی پیداوار پر مائل کرنا اور انہیں 'سپلائی چین' (Supply Chain) کے ساتھ جوڑنا، پیداواری عمل کو تحفظ اور معیار کے بین الاقوامی تقاضوں کے مطابق بنانا، پیداوار کی گریڈنگ (Grading)، پیکیجنگ (Packaging)، سٹوریج (Storage)، سرٹیفکیشن (Certification) اور پھر ان سب کو ڈیٹا بیس کے ساتھ جوڑنا تاکہ برآمدی آرڈر حاصل کئے جا سکیں۔

viii. کاشت کاری شعبے کو اس طرح متنوع بنانا کہ ایس ایف ڈی سی برآمدی مقاصد کے لئے دودھ، دودھ کی مصنوعات، گوشت اور مچھلی کی پیداوار کو ترویج دے سکے۔

دودھ کی پیداوار کے اعتبار سے پاکستان دنیا کا پانچواں بڑا ملک ہے لیکن اس کی فی مویشی پیداوار یورپی اوسط سے پانچ گنا کم ہے۔ فیلڈ کے تجربہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہتر خوراک سے دودھ کی پیداوار مختصر عرصے کے اندر دوگنا تک بڑھائی جا سکتی ہے۔ پاکستان دودھ کی کمی کا شکار مغربی ایشیا، وسطی ایشیا اور مشرقی ایشیا کے ممالک کی قوس کے بالکل مرکز میں واقع ہے۔ اگر یہ اپنی دودھ کی پیداوار بڑھا لے تو وہ ان ملکوں کو اس کی برآمد کر سکتا ہے جس سے اندازاً 4 سے 5 ارب ڈالرز زرمبادلہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ان غریب مزدوروں کو اگر مویشیوں کی تعداد اور دودھ کی پیداوار بڑھانے کے لئے قرضے اور توسیعی خدمات فراہم کر دی جائیں تو یہ برآمدی آمدنی کہیں زیادہ ہو سکتی ہے۔ ایس ایف ڈی سی کے ذریعے دودھ کی 'ہائی ویلیو ایڈڈ' (High Value Added) مصنوعات کی تیاری اور برآمد کے ذریعے برآمدی آمدنی میں مزید اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

اس طرح بہتر پیداواری صلاحیت اور چھوٹے کاشت کاروں کی کاروباری سرگرمیوں کی بنیاد پر زراعت میں برآمدات پر مبنی پائیدار افزائش کا ایک نیا سلسلہ چل نکلے گا۔

ایس ایف ڈی سی کے ادارے ہر صوبے میں قائم کئے جا سکتے ہیں جن میں مختلف امور کے لئے کئی ڈویژن بنائے جا سکتے ہیں۔

3. چھوٹے اور درمیانے کاروباری اداروں (ایس ایم ایز) کی تیز افزائش کے لئے ادارہ جاتی فریم ورک

مساویانہ افزائش اور بلند برآمدی آمدنی کے لئے چھوٹے اور درمیانے کاروباری اداروں کی افزائش میں تیزی:

کارخانہ سازی کے شعبے میں چھوٹے اور درمیانے درجے کی زیادہ تر صنعتوں کا ابتدائی نشوونما کا عرصہ قدرے کم ہوتا ہے، فی یونٹ پیداوار بڑھانے کے لئے درکار سرمایہ کاری کم ہوتی ہے اور بڑی صنعتوں کے مقابلے میں روزگار کی لچکدار حیثیت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ لہٰذا اس شعبے میں کل سرمایہ کاری بڑھانے سے جی ڈی پی کی بلند افزائش ممکن ہو سکتی ہے کیونکہ ان میں تھوڑی سرمایہ کاری سے روزگار کے زیادہ مواقع پیدا ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ آمدنی کی تقسیم میں بھی بہتری آتی ہے۔ 'سمال اینڈ میڈیم انٹرپرائزز ڈویلپمنٹ اتھارٹی' (سمیڈا) نے ایس ایم ایز کو ادارہ جاتی معاونت فراہم کرنے کے لئے متعدد اہم اقدامات کئے ہیں۔ اگر ہائی ویلیو ایڈیشن والے اور برآمدی شعبوں مثلاً الیکٹرانکس، سافٹ ویئر، گاڑیوں کے پارٹس، اور اس طرح کے دیگر شعبوں میں ایس ایم ایز کی ترویج اور معاونت پر خصوصی توجہ دی جائے تو یہ پاکستان کی معاشی ترقی کے لئے انتہائی فائدہ مند ثابت ہو سکتے ہیں۔ سمیڈا کی تاحال کی لائق تحسین کارکردگی کو اگر اب مزید مراعات سے لیس کر دیا جائے اور ان شعبوں میں ایس ایم ایز کی افزائش کے لئے ایک ادارہ جاتی فریم ورک تشکیل دینے پر توجہ مرکوز کی جائے تو بلند برآمدی افزائش کے ساتھ ساتھ قدرے بلند اور مساویانہ ملکی افزائش کو بھی ممکن بنایا جا سکتا ہے۔

سافٹ ویئر ماہرین کو تربیت کے ساتھ ساتھ قرضے اور منڈی تک رسائی دینے سے سافٹ ویئر کمپنیوں کی تیز افزائش کی راہ ہموار ہو سکتی ہے جس سے نہ صرف تعلیم یافتہ نوجوان ذاتی روزگار کے قابل ہوں گے بلکہ پاکستانی برآمدات میں تیزی آئے گی اور ان کی ترکیب میں بھی تبدیلی آئے گی جس میں بہتر علم پر مبنی مصنوعات اور خدمات سامنے آئیں گی۔ اس حوالے سے لاہور میں انفارمیشن ٹیکنالوجی یونیورسٹی (آئی ٹی یو) کا قیام حکومت پنجاب کا ایک اہم اقدام ہے۔ سافٹ ویئر، الیکٹرانکس، ہیومینیٹیز اور سوشل سائنسز کے شعبوں میں انفارمیشن ٹیکنالوجی کی عالمی معیار کی تربیت دینے کے علاوہ یہ یونیورسٹی پنجاب میں ای گورننس کے حوالے سے بھی نمایاں کردار ادا کر رہی ہے۔ آئی ٹی یو نے انفارمیشن ٹیکنالوجی اور سافٹ ویئر کے شعبوں میں متعدد سٹارٹ اپس (Startups) کو معاونت فراہم کی۔ جیسے جیسے آئی ٹی یو کا دائرہ پھیلے گا اور انفارمیشن ٹیکنالوجی ماہرین کے اس نئے حلقے میں وسعت پیدا ہوگی یہ پاکستانی معیشت اور طرز حکمرانی کو علوم پر مبنی سمت میں آگے بڑھانے میں نمایاں اثر دکھائے گی۔

'ہائی ویلیو ایڈڈ' ایس ایم ایز کی افزائش تیز کرنے کے لئے پالیسی تجاویز:

پنجاب اور خیبر پختونخواہ میں گاڑیوں کے پارٹس اور انجینئرنگ کا مختلف سامان تیار کرنے والے 'ہائی ویلیو ایڈڈ' چھوٹے کاروباری اداروں کی افزائش کی خاطر خواہ گنجائش موجود ہے جسے تاحال بروئے کار نہیں لایا گیا۔ پھر بھی اس طرح کے کئی چھوٹے یونٹ سٹیل شٹر، کار ایگزاسٹ پائپ اور پانی کی ٹوٹیوں جیسی کم مالیت کی اشیاء تیار کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ کم منافع، کم بچت اور سست افزائش کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ راقم الحروف کی ایک سابقہ تحقیق[13] کی بنیاد پر درج ذیل چھ اقدامات 'ہائی ویلیو ایڈڈ' شعبوں میں ایس ایم ایز کی افزائش تیز کرنے میں بے پناہ مدد دے سکتے ہیں:

i. بڑے کارخانوں کے شعبے کے لئے ادارہ جاتی نظام تعمیر کئے جائیں اور مستحکم بنائے جائیں تاکہ وہ گاڑیوں کے سپیئر پارٹس اور دیگر اجزاء کی تیاری کا کام چھوٹے اداروں کو دے سکیں۔ کئی چھوٹے یونٹ جو بنیادی تکنیکی مہارتوں کے اعتبار سے اس شعبے میں استعداد رکھتے ہیں، انہیں آرڈر حاصل کرنے میں مشکل پیش آتی ہے جس کی وجہ سے وہ پرچون مارکیٹ کے لئے کم مالیت والی اشیاء تیار کرنے پر مجبور رہتے ہیں۔

12 یہ ذیلی سیکشن مصنف کی ایک سابقہ تحریر پر مبنی ہے: اکمل حسین، Strengthening Democracy through Inclusive Growth، باب 8، اکمل حسین، مجتبٰی ڈیوبی (مدیران)، Democracy, Sustainable Development, and Peace۔ اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، نئی دہلی، 2014

13 اکمل حسین، Poverty Alleviation in Pakistan، وین گارڈ بکس، لاہور، 1994، ضمیمہ II

ii. انتظامی مہارتوں کو بہتر بنایا جائے تاکہ بڑے کارخانوں کی طرف سے باقاعدگی سے آرڈر ملنے کی صورت میں پروڈکشن میں کوالٹی کنٹرول یقینی بنایا جاسکے۔

iii. کارخانہ سازی، دھات سازی اور ویلڈنگ وغیرہ جیسے شعبوں میں مہارتوں کو جدید تقاضوں کے مطابق بہتر بنایا جائے کیونکہ اعلیٰ معیار کی مصنوعات کی تیاری میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔

iv. بڑے شہروں میں واقع پیداوار میں استعمال ہونے والی اشیاء کی منڈیوں تک رسائی اور 'ورکنگ کیپیٹل' کے لئے قرضوں کے حصول میں چھوٹے یونٹوں کو درپیش مسائل دور کئے جائیں کیونکہ اعلیٰ معیار کا خام مال اکثر تھوک کے بھاؤ ہی ملتا ہے جس کے لئے ان کے پاس سرمایہ نہیں ہوتا۔

v. مشینوں کو جدید تقاضوں کے مطابق بنانے پر سرمایہ کاری کے لئے مالی وسائل تک رسائی فراہم کی جائے اور ضمانتی املاک کی کمی کے باعث کمرشل بینکوں سے قرضے حاصل کرنے میں مشکلات کو دور کیا جائے۔

vi. فیبریکیشن (Fabrication) کی سہولیات مثلاً فورجنگ (Forging)، ہیٹ ٹریٹمنٹ (Heat Treatment) اور سرفیس ٹریٹمنٹ (Surface Treatment) حاصل کرنے میں معاونت فراہم کی جائے کیونکہ 'ہائی ویلیو ایڈڈ' مصنوعات کی تیاری میں ان کی ضرورت پڑتی ہے لیکن چھوٹے یونٹس کے نزدیک یہ خاصی مہنگی ہوتی ہیں۔

رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے 'کامن فیسلٹی سنٹر' کا قیام:

'کامن فیسلٹی سنٹر' (Common Facility Centre) یا سی ایف سی کا آئیڈیا اس حقیقت پر مبنی ہے کہ کئی چھوٹے یونٹس میں مہارتوں کی ترویج، جدت اور انٹرپرینیورشپ (Entrepreneurship) کی شاندار استعداد دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس استعداد کو بروئے کار لانے کے لئے چھوٹے قصبات میں افزائش دکھانے والے منتخب مقامات پر کامن فیسلٹی سنٹر قائم کئے جائیں جہاں چھوٹے پیداواری یونٹ پہلے سے موجود ہیں۔ سمیڈا نے مختلف ایس ایم ایز کو اپنی کاروباری سرگرمیاں اپ گریڈ کرنے کے لئے مشینری کی فراہمی کے لئے کئی کامن فیسلٹی سنٹر قائم کرنے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اس سلسلے میں شہد کی پیداوار، ماربل پراسیسنگ، سی این جی سلنڈر ٹیسٹنگ اور ایگریکلچر پراسیسنگ کے لئے سوات، چترال اور ناران میں کامن فیسلٹی سنٹر قائم کئے جائیں گے۔ تاہم ضرورت اس بات کی ہے کہ اس طرح کے زیادہ سنٹر قائم کئے جائیں جو ایس ایم ایز کو بہتر مالیت اور مہارت والے شعبوں میں معاونت فراہم کریں جو برآمدی استعداد رکھتے ہوں جیسے الیکٹرانکس، سافٹ ویئر، گاڑیوں کے پارٹس وغیرہ۔ ان سرگرمیوں کو مزید مستحکم بنانے کے لئے سمیڈا کی اس کاوش کو مزید وسعت دی جاسکتی ہے اور کامن فیسلٹی سنٹرز کو اس قابل بنایا جاسکتا ہے کہ وہ درج ذیل خدمات کے ایک جامع پیکج تک رسائی فراہم کرنے کے لئے مقامی سطح پر معاونت فراہم کرسکیں:

i. چھوٹے یونٹس کو بڑے کارخانوں کے ساتھ جوڑا جائے تاکہ وہ آپس میں مصنوعات کی فراہمی کے معاہدے کرسکیں۔

ii. قرضوں کی فراہمی۔

iii. خام مال کے بینک بنائے جائیں جہاں سے چھوٹے یونٹ تھوڑی مقدار میں سامان خرید سکیں۔

iv. ٹیکنالوجی کی مہارتوں میں تربیت دی جائے اور نئی ٹیکنالوجیز کو پھیلایا جائے۔

v. پروٹوٹائپ کی تیاری کو فروغ دیا جائے۔

vi. فورجنگ، ہیٹ ٹریٹمنٹ اور سرفیس ٹریٹمنٹ کی سہولیات۔

vii. کوالٹی کنٹرول کے طریقے وضع کرنے کے لئے انتظامی امور میں تربیت دی جائے۔

کامن فیسلٹی سنٹر میں فورجنگ، ہیٹ ٹریٹمنٹ، سرفیس ٹریٹمنٹ اور کمپیوٹرائزڈ ملنگ مشینیں موجود ہوں گی جن پر اعلیٰ قابلیت کے حامل انجینئر اور تربیت کار کام کریں گے۔ چھوٹے صنعتی یونٹ ضرورت پڑنے پر کرائے کی بنیاد پر ان آلات کو استعمال کرسکیں گے۔

اس طرح کامن فیسلٹی سنٹر گاڑیوں کے پارٹس اور الیکٹرانکس کے شعبوں میں چھوٹے کاروباری اداروں کی افزائش تیز کرنے میں محرک کا کردار ادا کریں گے اور ملکی اور برآمدی منڈیوں کے لئے 'ہائی ویلیو ایڈڈ' مصنوعات کی تیاری میں زیریں متوسط طبقات کی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں گے۔ اس سے چھوٹے قصبات میں افزائش کے نئے مراکز پیدا کرنے اور مختلف علاقوں کے درمیان معاشی فرق کو کم کرنے میں بھی مدد ملے گی۔

حاصل بحث

زیرنظر تحریر میں موضوع بحث یہی رہا ہے کہ ہیومن ڈویلپمنٹ کے مقصد کے حصول کے لئے افزائش کے ایک نئے عمل کی داغ بیل ڈالنا ہوگی جو محض اشرافیہ تک محدود نہ ہو بلکہ معاشرے کے وسیع تر طبقات کی جدت اور کاروباری صلاحیتوں پر مبنی ہو۔ اس سیاق وسباق میں بعض ممکنہ پالیسی اقدامات کا خاکہ بھی پیش کیا گیا ہے جن پر عمل کرکے عوام کے ہاتھوں عوام کی افزائش کا حصول یقینی بنایا جاسکتا ہے۔ ان میں یہ سرگرمیاں شامل ہیں: سب کو، ہر جگہ صحت، تعلیم اور سماجی تحفظ کی فراہمی۔ آبی قلت کا مقابلہ کرنے کے لئے فوری اقدامات۔ سستی توانائی کے بنیادی ذریعہ کے طور پر پن بجلی کی ترویج جس سے پاکستان کے آبی وسائل کی بچت بھی ممکن ہوگی۔ افزائش کی حکمت عملی جس میں درمیانے اور چھوٹے کاشت کاروں کے ساتھ ساتھ چھوٹے اور درمیانے صنعتی اداروں کی خاطر خواہ استعداد کو بروئے کار لایا جائے گا۔ یہ پالیسی اقدامات پاکستان کو مساویانہ اور پائیدار ترقی کے ایک نئے سفر پر ڈالنے میں کلیدی کردار ادا کرسکتے ہیں۔

خاور ممتاز[1]

چیئرپرسن
قومی ادارہ برائے وقارِ نسواں

2018 کے انتخابات تسلسل اور تبدیلی دونوں کی علامت ہیں یعنی انتخابی عمل کا تسلسل اور مرکز اور دو صوبوں میں قیادت کی تبدیلی۔ اب جبکہ نئی حکومت اپنے قدم جما رہی ہے تو یہی وقت ہے کہ خواتین کو بااختیار بنانے میں درپیش مشکلات، جن میں سے کئی دیرینہ بھی ہیں، پر از سر نو نظر ڈالی جائے اور عمل کے لئے ترجیحات کا تعین کیا جائے۔ صدر پاکستان نے پارلیمنٹ سے اپنے پہلے خطاب میں ترقی نسواں کی پالیسیاں بنانے کی ضرورت پر زور دیا جسے آگے بڑھانا وقت کا تقاضا ہے۔

I. سیاق وسباق

2017 کی مردم شماری کے مطابق پاکستان کی آبادی 49 فیصد خواتین پر مشتمل ہے۔ پاکستان کی بیس کروڑ اسی لاکھ آبادی میں سے دو تہائی دیہی علاقوں میں مقیم ہے جس میں چھ کروڑ پچاس لاکھ خواتین شامل ہیں۔ تقریباً تین کروڑ ساٹھ لاکھ خواتین شہری علاقوں میں رہتی ہیں۔ خواتین کے سماجی اشاریوں پر نظر دوڑائیں تو اعلیٰ تعلیم اور سیاسی نمائندگی جیسے بعض شعبوں میں بہتری دیکھنے کو ملتی ہے۔ خواتین بعض ایسے شعبوں میں بھی قدم رکھ چکی ہیں جو عام طور پر مردوں کے شعبے سمجھے جاتے ہیں جیسے پائلٹ، انفارمیشن ٹیکنالوجی، انتظامی خدمات، فضائیہ، پولیس وغیرہ۔ امتحانات کی طرف دیکھیں تو اکثر خواتین ان میں آگے نظر آتی ہیں۔ بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام جس کے ذریعے غریب ترین گھرانوں کی پچاس لاکھ سے زائد خواتین کو نقد امداد فراہم کی جا رہی ہے، اس طرح کے امدادی پروگراموں سے خواتین کے لئے نئے مواقع پیدا ہوئے ہیں جس کے نتیجے میں گھر کے اندر ان کا مقام بلند ہوا ہے۔ اسمبلیوں اور ملازمتوں میں خواتین کے لئے پالیسیوں اور کوٹہ کے ساتھ ساتھ حفاظتی قوانین وغیرہ، ان سب کی بدولت خواتین کے لئے نئی راہیں کھولنے میں مدد ملی ہے۔ اپنا کاروبار کی ترویج کے پروگراموں، چھوٹے قرضوں کی سکیموں، اکنامک انکیوبیٹرز (Economic Incubators)، مہارتوں میں بہتری کے مواقع وغیرہ سے بھی خواتین کو مردوں کے برابر لانے میں کافی مدد ملی ہے۔

ان تمام کاوشوں کے باوجود مختلف عالمی انڈکس پر نظر دوڑائیں تو انسانی ترقی ہو یا خواتین کی حیثیت ان میں پاکستان کی رینکنگ پست ہے۔ ہیومن ڈویلپمنٹ انڈکس کے مطابق پاکستان 188 ممالک میں 147 ویں رینک پر ہے[2]، گلوبل جنڈر گیپ انڈکس پر 145 ممالک میں 144 ویں نمبر پر[3] اور گلوبل ہنگر انڈکس پر 76 ممالک میں پاکستان کا رینک 57 ہے۔[4]

پاکستان کے مختلف اعداد وشمار تعلیم، اجرتوں، افرادی قوت میں شمولیت، خواندگی اور داخلے کی شرح وغیرہ میں اصناف کے درمیان فرق ظاہر کرتے ہیں جبکہ خواتین سے متعلق خدمات مثلاً تحفظ، سلامتی اور نقل وحرکت کے اعتبار سے بھی حالات غیر موزوں ہیں۔[5] اقلیتی مذاہب اور نسلی برادریوں سے تعلق رکھنے والی خواتین، خواجہ سرا اور منفرد صلاحیتوں کے حامل افراد مزید محرومی کا شکار دکھائی دیتے ہیں۔ سب سے پریشان کن بات جو شاید ایک صدائے بیداری بھی ہے، 2017 کی مردم شماری[6] سے سامنے آنے والی معلومات ہیں۔ پاکستان کی افزائش آبادی کی شرح 2.4 فیصد سالانہ ہے (جو بنگلہ دیش کی شرح 1.16 فیصد اور بھارت کی 1.24 فیصد کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے) اور اس شرح سے، اگر روکا نہ گیا تو پاکستان کی آبادی 2050 تک 33 کروڑ 50 پچاس لاکھ سے بھی تجاوز کر جائے گی۔ آمدنی کی بڑھتی عدم مساوات صورتحال میں مزید بگاڑ پیدا کر دیتی ہے جس کے مطابق 20 فیصد امیر ترین افراد ملک کی 40 فیصد دولت کے مالک ہیں جبکہ 40 فیصد غریب ترین کے حصے میں صرف 20 فیصد دولت آتی ہے۔

II. مشکلات

خواتین کو بااختیار بنانے اور انہیں ترقی کے عمل کا حصہ بنانے میں درپیش مشکلات آج بھی وہی ہیں جن کے بارے میں سب جانتے ہیں یعنی پست شرح خواندگی وتعلیم۔ ناقص صحت، تولیدی صحت اور غذائی سطح۔ افرادی قوت میں خواتین کی غیر موزوں شمولیت۔ تشدد کا خطرہ اور فیصلہ سازی میں برائے نام رائے۔ ان سے ہٹ کر بھی بہت سی باتیں ہیں مثلاً ایک طرف مڈل اور سیکنڈری سطح پر تعلیم چھوڑ دینے والی لڑکیوں کی تعداد ڈرامائی انداز میں بڑھ رہی ہے تو دوسری جانب میٹرک کے بعد صنفی برابری میں بہتری آ رہی ہے اور پوسٹ گریجویٹ تعلیم میں دونوں اصناف تقریباً برابر ہو جاتی ہیں۔ اس رجحان کا ایک طبقاتی پہلو بھی ہے۔ جن لوگوں کے نزدیک اپنی حیثیت بہتر بنانے کے لئے تعلیم ایک بنیادی شرط ہے انہیں یہ میسر نہیں ہے اور جن لوگوں کو تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے وہ ضروری نہیں کہ معاشی مقاصد کے لئے تعلیم حاصل کر رہے ہوں۔ اس کی ایک بہترین مثال میڈیکل تعلیم حاصل کرنے والی خواتین ہیں جن میں سے صرف 57 فیصد اس پیشے کو اپناتی ہیں۔ پھر خالی آسامیوں کی بات آجاتی ہے، لیکن یہاں مسئلہ یہ ہے کہ تربیت یافتہ خواتین اپنے گھر سے دور علاقوں میں ملازمت پر تیار نہیں ہوتیں۔

اسی طرح سماجی ومعاشی لحاظ سے غریب گھرانوں کی خواتین اور بچوں میں غذائی کمی کی سطح بلند ہے۔ غربت اور خواتین کی صحت کے درمیان تعلق کو دیہی سندھ میں کی گئی ایک حالیہ تحقیق میں اجاگر کیا گیا ہے جس کے مطابق غربت کی وجہ سے کپاس کی چنائی پر مجبور خواتین کی آمدنی ان کے زیادہ کام نہیں آتی کیونکہ کپاس کی چنائی ان کی صحت پر منفی اثرات ڈالتی ہے[7]۔ یہ بات تو طے ہے کہ تعلیمی سطح، صحت کی کیفیت، مہارتوں، روزگار، نقل وحرکت اور سلامتی کا باہمی تعلق خواتین کی ترقی اور انہیں بااختیار بنانے میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ پاکستان میں سماجی رکاوٹیں اور تشدد اور ان کا خوف بھی اتنے ہی اہم ہیں۔

III. ترجیحی شعبے

اس پر تو کوئی بحث نہیں کہ ملک ''سب اچھا ہے'' والی سوچ پر نہیں چل سکتا۔ خوشحال اور پرامن پاکستان کے سفر میں ہم تقریباً نصف آبادی کو پیچھے چھوڑ کر منزل کو نہیں پا سکتے۔ پالیسی میدان میں ترجیحات بدلنا ہوں گی اور ان پر عمل کرنے کے لئے سیاسی عزم کا مظاہرہ کرنا ہوگا اور اداروں کو اس قدر مضبوط بنانا ہوگا اور ان کی اس طرح صف بندی کرنا ہوگی کہ ملک کی شہری کی حیثیت سے خواتین کی بھرپور اور بامعنی شمولیت یقینی بنائی جا سکے جنہیں اپنے طور پر ہر طرح کے مواقع میسر ہوں۔ صحت، تعلیم اور روزگار اس لحاظ سے انتہائی اہم شعبے ہیں جو آبادی پر اپنا اثر دکھاتے ہیں اور جنہیں اولین ترجیح دینا ہوگی۔

1. **تعلیم:** سولہ سالہ لازمی تعلیم کی آئینی شرط پوری نہیں ہو رہی۔ سیکنڈری اور ہائی سکول کی سطح پر تعلیم چھوڑ دینا لڑکیوں اور خواتین کے لئے ایک بڑی رکاوٹ ہے جس کی وجہ سے وہ ایسی مہارتیں حاصل نہیں کر پاتیں جو انہیں بہتر اجرت والا روزگار دلا سکیں۔ تجرباتی شواہد سے پاکستان میں اور دیگر ملکوں میں ثابت ہو چکا ہے کہ جو خواتین سیکنڈری تعلیم مکمل کر لیتی ہیں ان کے ہائی سکول تعلیم مکمل کرنے اور اعلیٰ تعلیم یا پیشہ ورانہ تربیت حاصل کرنے کا امکان بڑھ جاتا ہے۔ علاوہ ازیں، ہائی سکول تعلیم مکمل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ شادی کی عمر بڑھ جاتی ہے جس کے نتیجے میں وہ دیر سے مائیں بنتی ہیں۔ پرائمری سکول کے بعد تعلیم چھوڑ دینے کی جو وجوہات سامنے آئی ہیں ان کے مطابق سیکنڈری اور ہائی سکولوں کی تعداد کم ہے یا گھر سے دور ہیں۔ تاہم ایک سبب جس پر پوری توجہ نہیں دی گئی، یہ ہے کہ سکولوں میں بلوغت کی عمر کی لڑکیوں کی حفظان صحت کی ضروریات پوری کرنے کی سہولیات میسر نہیں ہیں۔ اس لئے کئی لڑکیوں کو بعض اوقات ہفتے بھر کے لئے سکول سے چھٹی کرنا پڑتی ہے اور اس طرح وہ پڑھائی میں پیچھے رہ جاتی ہیں اور بالآخر تعلیم چھوڑ دیتی ہیں۔

---

1 مصنف اس سے قبل Inclusive and Sustainable Development Through Gender Equality کے عنوان سے ایک جامع پالیسی پیپر پیش کر چکے ہیں۔ زیر نظر تحریر میں مردم شماری 2017 اور پاکستان آبادی وصحت سروے (پی ڈی ایچ ایس) 2018 کی روشنی میں تین اہم ترین شعبے زیر بحث لائے گئے ہیں جو فوری توجہ کے متقاضی ہیں۔

2 اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ، ''ہیومن ڈویلپمنٹ انڈکس 2017''۔

3 ورلڈ اکنامک فورم، Global Gender Gap Report 2017۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://www3.weforum.org/docs/WEF_GGGR_2017.pdf

4 آئی ایف پی آر آئی۔ Global Hunger Index 2018۔ جو یہاں سے حاصل کیا جا سکتا ہے: https://www.globalhungerindex.org/results/

5 Women's Economic Empowerment Status Report 2016۔ این سی ایس ڈبلیو، یو این ویمن، سی گیپس۔ Rural Women in Pakistan Status Report 2018۔ این سی ایس ڈبلیو، کینیڈا فنڈ، یو این ویمن، سی گیپس۔ ان دونوں رپورٹوں میں سرکاری قومی اور صوبائی ڈیٹا کو استعمال کرتے ہوئے تفاوت کا تفصیلی تجزیہ کیا گیا ہے اور اس کے ازالہ کے لئے سفارشات پیش کی گئی ہیں۔

6 شماریات بیورو پاکستان، ''مردم شماری، 2017''۔ جو یہاں سے حاصل کی جا سکتی ہے: http://www.pbscensus.gov.pk/

7 حارث گزدار۔ Women's Work in Agriculture and Nutrition Survey 2015-2016 جو ''پاکستان میں دیہی خواتین زرعی کارکنوں اور ان کے بچوں کے حقوق اور فلاح'' پر این سی ایس ڈبلیو۔ کلیکٹو فار سوشل ریسرچ کنسلٹیشن میں پیش کیا گیا۔ 29 اگست 2019۔

2. صحت: خراب صحت ترقیاتی سرگرمیوں میں خواتین کی بھرپور شمولیت کے ساتھ ساتھ ان کی اپنی ترقی کی راہ میں بھی رکاوٹ بنتی ہے۔ جن ملکوں میں آبادی کے محرکین بدل گئے ہیں اور مثبت نتائج حاصل کر لئے گئے ہیں وہاں صحت اور خاندانی منصوبہ بندی خدمات کی دستیابی آسان بنادی گئی ہے۔ ایران اور روانڈا اس کی کچھ مثالیں ہیں۔ ان خدمات کا باکفایت اور قابل رسائی ہونا بھی ضروری ہے۔ پاکستان کے تجربے سے ظاہر ہوتا ہے کہ گاؤں کی سطح پر صحت خدمات فراہم کرنے والے افراد کی موجودگی اور بہتر صحت اور مانع حمل طریقوں کے استعمال کا آپس میں براہ راست تعلق ہے۔ پاکستان کا لیڈی ہیلتھ ورکرز پروگرام ماضی کا ایک کامیاب ماڈل رہا ہے۔ اسے مستحکم بنانے کی ضرورت ہے جس میں تولیدی صحت پر زیادہ توجہ دینا ہوگی۔ معلومات تک رسائی میں اضافہ اور مردوں، عورتوں اور بلوغت کی عمر کے افراد تک معلومات کا پھیلاؤ وقت کا تقاضا ہے۔ پاکستان کے آبادی و صحت سروے 18-2017 [8] کے ابتدائی نتائج اس لحاظ سے پریشان کن ہیں کہ 2012 کے سروے کے مقابلے میں موجودہ نتائج مانع حمل طریقوں کے استعمال میں کمی اور زیادہ بچوں کی خواہش کے رجحان کو ظاہر کرتے ہیں۔ شہری و دیہی اور آمدنی کے مختلف طبقات کے درمیان آنے والی تبدیلیوں کا اندازہ لگانے کے لئے ڈیٹا کا مزید تجزیہ ابھی ہو رہا ہے۔

3. روزگار: 15 سے 64 سال عمر کی خواتین بہت بڑی تعداد (تقریباً 4 کروڑ 10 لاکھ) میں موجود ہیں جن میں خاص طور پر کم دولت مند طبقات سے تعلق رکھنے والی زیادہ تر خواتین کو ملازمتوں کی تلاش ہے لیکن ان کے پاس مطلوبہ ہنر نہیں ہے یا وہ ممکنہ راستوں سے آگاہ نہیں ہیں۔ نتیجتاً ان کی بڑی اکثریت غیر رسمی شعبے میں کام کرنے پر مجبور ہے (75 فیصد) جہاں وہ کم اجرت کے عوض ایسے کام کرتی ہیں جن کے لئے کسی خاص ہنر کی ضرورت نہیں پڑتی لیکن ان کے اس کردار کو تسلیم کیا جاتا ہے نہ وہ کسی شمار میں آتی ہیں۔ ڈیٹا سے یہ شواہد بھی ملتے ہیں کہ تعلیم خواتین کی افرادی قوت میں شمولیت پر فیصلے میں اہم کردار ادا کرتی ہے اور تعلیم کی سطح، شمولیت کی شرح اور معاوضہ آپس میں مثبت طریقے سے جڑے ہیں۔

IV. ادارہ جاتی نظام

صحت، تعلیم اور روزگار کے شعبے جہاں خواتین کو بااختیار بنانے کے لئے ناگزیر ہیں وہیں ادارہ جاتی، قانون سازی اور انتظامی اقدامات پر بیک وقت توجہ دینا بھی برابر اہم ہے۔

لہٰذا، اداروں کا استحکام اس کا ایک تقاضا ہے۔ خواتین کے محکموں، خواتین کے کمیشنز، مہارتیں بہتر بنانے کے مراکز، چھوٹے قرضے دینے والے بینکوں اور مالیاتی اداروں کا مضبوط ہونا لازم ہے جو اپنے فرائض کی انجام دہی کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہوں۔ ضابطے کی کارروائیاں معقول ہونی چاہئیں جو غیر ضروری تاخیر کا باعث نہ بنیں اور عمدہ اور بروقت خدمات کی فراہمی کو فروغ دیں۔ مہارتوں کے تربیتی اداروں کو مارکیٹ یا ملازمت کی ضروریات کے ساتھ جوڑنا یا ملازمت کے لئے سازگار بنانا بھی ضروری ہے جن میں اثرات اور کامیابی کا اندازہ لگانے کا پورا انتظام موجود ہو اور جن میں جدید تکنیکی صنعتوں کے لئے اور نگرانی و انسانی وسائل کی مینجمنٹ کے شعبوں کے لئے خواتین تک رسائی کی دانستہ کوششیں کی جائیں۔

خواتین کے ساتھ ساتھ نسلی یا مذہبی اقلیتوں اور خواجہ سراؤں کو ہراسیت اور تشدد سے تحفظ فراہم کرنے اور ان کی سلامتی یقینی بنانے کے لئے معاون اداروں کا ہونا بھی ضروری ہے۔ پاکستان میں ہر طرح کے حفاظتی قوانین موجود ہیں لیکن عملدرآمد کمزور ہے۔ لہٰذا عملدرآمد اور نگرانی کے ذمہ دار اداروں اور نظاموں (پولیس، عدالتوں اور خصوصی کمیشنر) کو مستحکم بنانے کی ضرورت ہے۔ خواتین کے خلاف تشدد ایک ایسا مسلسل چیلنج ہے جو تعلیم، روزگار اور نجی و عوامی زندگی کے دیگر شعبوں میں خواتین کو بھرپور شمولیت سے روکتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ 'سیف ہاؤسز' (Safe Houses)، بحالی مراکز اور قانونی معاونت کے مراکز قائم کئے جائیں تاکہ خواتین معاشی طور پر خود مختار بن سکیں اور جسمانی لحاظ سے محفوظ رہ سکیں۔ کام کرنے والی خواتین کے لئے خاص طور پر دیہی علاقوں میں مناسب رہائش یا ہاسٹل وغیرہ خواتین کو روزگار کی طرف لانے پر مائل کرنے کے لئے ضروری ہیں۔

V. سفارشات

قصہ مختصر، ایک ایسی مربوط اور باہمی شمولیت پر مبنی کثیر رخی حکمت عملی کی ضرورت ہے جو خواتین کو بااختیار بنانے کے لئے انہیں تعلیم اور مہارتوں سے لیس کرے، صحت اور خاندانی منصوبہ بندی کی خدمات فراہم کرے، روزگار کے مواقع پیدا کرے، آمدنی کو ان کے قابو میں لائے اور خواتین پر اثر انداز ہونے والے فیصلوں میں انہیں اپنی رائے دینے کا موقع فراہم کرے۔ خواتین کی برابری، امتیاز اور عدم مساوات کا خاتمہ اور معیشت کے باقاعدہ شعبوں میں ان کی شمولیت (یعنی جہاں انہیں معقول معاوضہ ملے) مطلوبہ مقاصد کے حصول کا اصل راستہ ہیں۔ اس سلسلے میں کچھ سفارشات درج ذیل ہیں:

1. مڈل اور سیکنڈری سکولوں کی تعداد بڑھانے کے لئے جہاں کہیں ممکن ہو پرائمری سکولوں کو اپ گریڈ کیا جائے یا مڈل اور سیکنڈری سکولوں کو یکجا کر کے اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ جو بچیاں سکول میں داخل ہوں وہ وہاں سے تعلیم مکمل کر کے جائیں یا موجودہ پرائمری سکولوں کے اندر دوسری شفٹ کا انتظام کیا جائے۔ جہاں سکول زیادہ فاصلے پر واقع ہوں وہاں ٹرانسپورٹ کی دستیابی اور سکیورٹی کو بھی لازمی قرار دیا جا سکتا ہے۔ بلوغت کی عمر کی لڑکیوں کے لئے حفظان صحت کی خدمات فراہم کی جائیں یعنی بیت الخلاء صحیح حالت میں ہوں اور ضروری سہولیات میسر ہوں۔ غذائی اور تعلیمی نتائج بہتر بنانے کے لئے لڑکیوں کو سکول میں داخل کرانے پر 'سکول فیڈنگ پروگرام' جیسی مراعات متعارف کرائی جا سکتی ہیں۔

2. تمام مراکز صحت (دیہی، شہری، سرکاری، نجی) میں صحت اور بہبود آبادی یا خاندانی منصوبہ بندی کی خدمات کو آپس میں ضم کر دیا جائے۔ ہر جگہ ایک ہی فارمولہ اپنانے کے بجائے مردم شماری اور آبادی و صحت سروے کی معلومات کی بنیاد پر ہر علاقے کی ضروریات کے مطابق پروگرام اور اقدامات وضع کئے جائیں۔

3. بہبود آبادی، صحت و تعلیم کی خدمات اور خواتین کو بااختیار بنانے کے پروگراموں پر این جی اوز اور دیگر تنظیموں کے ساتھ مل کر کام کیا جائے۔

4. لیڈی ہیلتھ ورکرز کو لازمی سہولت کے طور پر تسلیم کیا جائے اور لیڈی ہیلتھ ورکر پروگرام پر نظر ثانی کر کے اسے مزید معقول بنایا جائے جس میں مقامی سطح پر کام کرنے والی دائیوں کو بھی ساتھ ملایا جائے اور انہیں ان علاقوں تک پھیلایا جائے جہاں یہ خدمات میسر نہیں۔ مڈل اور ہائی سکول کی فارغ التحصیل طالبات کو تربیت دے کر اس پروگرام کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

5. نوجوان خواتین (اور مردوں) کو روزگار کے لئے تیار کرنے اور خواتین کے تربیتی اداروں کی کمی پر قابو پانے کے لئے تعلیمی اور پیشہ ورانہ تربیت کو یکجا کر دیا جائے۔

6. گھر پر کئے جانے والے کام، دیگر غیر رسمی اور بلا معاوضہ گھریلو کام کو تسلیم کیا جائے کیونکہ یہ جی ڈی پی میں ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں اور ایسے کارکنوں کا ریکارڈ مرتب کرنے کے لئے ڈیٹا بیس تیار کیا جائے، ان کے کام کی باقاعدہ کیٹیگریز بنائی جائیں اور استحصال کا خاتمہ کیا جائے۔

7. کام کی جگہ پر صنف کے لحاظ سے سازگار اور ہراسیت سے پاک ماحول یقینی بنایا جائے، الگ غسل خانے اور کامن روم بنائے جائیں، کم سے کم اجرت مقرر کی جائے، ایک ہی کام کے لئے اجرت برابر ہونی چاہئے اور تمام کارکنوں کو ملازمتی مراعات دی جائیں چاہے وہ عارضی نوعیت کے کام کر رہے ہوں یا مستقل۔

8. ٹھوس اقدامات پر عملدرآمد: انتظامی شعبوں (وفاقی سطح پر صرف 5 فیصد ملازمین کام کر رہے ہیں حالانکہ کوٹہ 10 فیصد ہے) بشمول اعلیٰ عدلیہ میں خواتین کا کوٹہ پورا کیا جائے، مقامی حکومتوں میں 33 فیصد کوٹہ بحال کیا جائے اور وزارتی سطح پر خواتین کی نمائندگی بڑھائی جائے۔

9. امتیازی قوانین میں ترمیم کی جائے اور گھریلو کارکنوں کے تحفظ، گھریلو تشدد کے خاتمے، شادی کے لئے لڑکیوں کی عمر 18 سال تک بڑھانے اور خواتین کو وراثت سے محروم رکھنے کی روش روکنے اور اسے قابل سزا جرم کی حیثیت دینے کے لئے نئے قوانین نافذ کئے جائیں۔

8 نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پاپولیشن سٹڈیز۔ Pakistan Demographic and Health Survey 2017-18۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://www.nips.org.pk/abstract_files/PDHS%20-%202017-18%20Key%20indicator%20Report%20Aug%202018.pdf

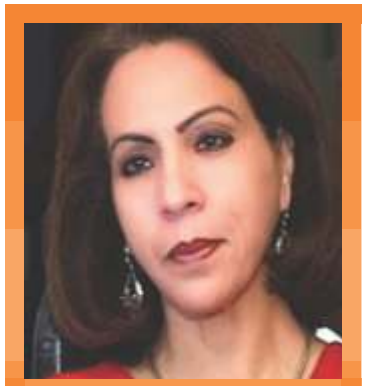

فرزانہ باری

کارکن انسانی حقوق

نومنتخب حکومت اپنے ''تبدیلی'' کے عوامی نعرے کی وجہ سے کافی مشہور ہے۔ وزیراعظم عمران خان نے اپنی پہلی تقریر میں انسانی ترقی کے حوالے سے خاص طور پر بات کی اور اسے اپنی حکومت کی اولین ترجیح قرار دیا۔

انسانی ترقی یا ہیومن ڈویلپمنٹ انڈکس پر پاکستان مسلسل نیچے کی طرف جارہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ہم پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد کے تحت 2030 تک کے لئے طے شدہ اہداف پورے نہیں کر پائیں گے جن میں صنفی برابری اور خواتین اور لڑکیوں کی بااختیار حیثیت سے متعلق مقصد نمبر 5 بھی شامل ہے۔

ہیومن ڈویلپمنٹ ہمیشہ پاکستان کی قومی ترجیحات میں نیچے رہی ہے۔ انسانی سرمائے پر سرمایہ کاری کی کمی نے یوں تو ملک میں سب کو متاثر کیا ہے لیکن خواتین سب سے زیادہ زد میں آئی ہیں۔ سماجی شعبے کے لئے مختص کئے جانے والے برائے نام عوامی وسائل تک رسائی میں وہ مردوں کے مقابلے میں کہیں پیچھے رہی ہیں جس کا سبب صنفی سماجی اقدار ہیں جن میں خواتین کو نجی املاک کی سی حیثیت حاصل ہے، ان کی نقل وحرکت پر پابندیاں عائد ہیں اور وہ گھر کی چار دیواری میں محض تولیدی کرداروں تک محدود رہتی ہیں۔

خواتین سے متعلق سماجی اشاریوں کے اعتبار سے پاکستان کی حالت خطے میں سب سے بدتر ہے۔ صنفی برابری کی جانب پیشرفت انتہائی سست رہی ہے۔ اس وقت صرف 48 فیصد خواتین خواندہ ہیں جبکہ مردوں میں یہ تناسب 70 فیصد ہے۔[1] مختلف علاقوں کے درمیان بھی بہت زیادہ فرق پایا جاتا ہے۔ حمل سے متعلق پیچیدگیوں کے ہاتھوں ایک ہزار زندہ بچوں کی پیدائش پر تقریباً 276 خواتین موت کا شکار ہو جاتی ہیں۔[2] کم عمری کی شادیوں، ناقص غذائیت (تولیدی عمر کی 40 فیصد خواتین خون کی کمی کا شکار ہیں)، بار بار حمل اور بچے کی پیدائش سے پہلے اور بعد میں ضروری خدمات نہ ملنے کے باعث یہ پیچیدگیاں مزید بگڑ جاتی ہیں۔ دنیا کی آبادی میں خواتین کا تناسب 51 فیصد ہے، اس کے برعکس پاکستان میں مردوں کی تعداد عورتوں سے زیادہ ہے (51 فیصد مرد اور 49 فیصد خواتین)۔ پاکستان کی حالیہ مردم شماری کے مطابق 105 مردوں پر خواتین کی تعداد 100 ہے۔[3] افرادی قوت میں خواتین کی شمولیت کا تناسب 26 فیصد ہے جبکہ مردوں اور عورتوں کے درمیان اجرتوں کا فرق 40 فیصد ہے۔[4] معیشت کے غیر رسمی شعبے میں خواتین کا تناسب زیادہ ہے جہاں لیبر قوانین پر عمل نہیں ہوتا۔ اگرچہ ایک ٹھوس اقدام یہ کیا گیا ہے کہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں 17 فیصد نشستیں خواتین کے لئے مخصوص کر دی گئی ہیں اور سیاسی جماعتوں کو پابند بنا دیا گیا ہے کہ وہ جنرل نشستوں کے 5 فیصد ٹکٹ خواتین کو دیں گی لیکن اس کے باوجود پارلیمنٹ کے ارکان میں خواتین کا تناسب صرف 19.8 فیصد ہے۔ صنفی تشدد کا دور دورہ ہے جس کی وجہ سے گھر کے اندر، گاؤں محلے میں اور اداروں کی سطح پر خواتین کی سلامتی کو خطرات لاحق ہیں۔

دن بہ دن بڑھتے شواہد سامنے آرہے ہیں جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ صنفی برابری اور پائیدار معاشی افزائش، غربت میں کمی، موسمیاتی تبدیلی اور معاشرے میں امن وخوشحالی کے درمیان گہرا تعلق ہے۔ اس بناء پر صنفی برابری محض ایک اخلاقی ہی نہیں بلکہ معاشی تقاضا بھی ہے۔ یہ افزائش کو تیز کرتی ہے اور تمام دیگر ترقیاتی مقاصد کو آگے بڑھانے کا کام دیتی ہے۔

عمران خان کے تبدیلی کے دعووں کی روشنی میں پی ٹی آئی حکومت سے خواتین کا نظر نہ آنا انتہائی مایوس کن ہے جس کی امید ہر گز نہیں کی جارہی تھی۔ وفاقی وزراء کی ٹیم میں صرف تین خواتین کو شامل کیا گیا ہے جبکہ پنجاب کابینہ میں ایک خاتون شامل ہے اور خیبر پختونخواہ اور بلوچستان میں کوئی خاتون کابینہ کی رکن نہیں ہیں۔ مختلف ٹاسک فورسز کی صنفی ترکیب بھی باعث تشویش ہے۔

عمران خان حکومت کو یہ بات سمجھنا ہوگی کہ جب تک صنفی نقطہ نظر کو ان کی حکومت کی پالیسیوں، پروگراموں اور سماجی خدمات کی کاوشوں میں پوری طرح ضم نہیں کیا جاتا اصلاحاتی عمل کے مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہوں گے۔

پی ٹی آئی حکومت کے سامنے کئی راستے ہیں جن پر چل کر وہ بہتر باہمی شمولیت پر مبنی عمدہ طرز حکمرانی کا وعدہ پورا کر سکتی ہے۔ اگرچہ اٹھارہویں ترمیم کے تحت ترقی خواتین کا شعبہ صوبوں کو تفویض کر دیا گیا ہے لیکن پی ٹی آئی اس وقت مضبوط پوزیشن میں ہے کہ وہ اصلاحاتی عمل کو صنفی رنگ میں ڈھال کر دوسروں پر سبقت لے جائے کیونکہ وہ نہ صرف وفاقی سطح پر بلکہ ملک کے تین صوبوں میں بھی برسر اقتدار ہے۔ اس بناء پر ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ صنفی برابری پر پیشرفت تیز کرنے کے لئے اقدامات کرے۔

پالیسی سازوں اور سرکاری اداروں کے منتظمین میں صنفی علوم اور تکنیکی معلومات کی کمی کے پیش نظر تجویز کیا جاتا ہے کہ حکومت ایک قومی سطح کی صنفی مشاورتی کونسل تشکیل دے جس میں صنفی اور شعبہ جاتی ماہرین شامل ہوں۔ یہ کونسل صنفی علوم کی کمی کو دور کرے اور اس بارے میں تکنیکی آراء فراہم کرے کہ سرکاری پالیسیوں اور پروگراموں کو صنفی رنگ میں کس طرح ڈھالا جائے۔

دوسری بات، صنفی برابری کی سوچ حقوق پر مبنی ہونی چاہئے جو تمام شعبوں کا احاطہ کرے۔ سب خواتین ایک جیسی نہیں ہوتیں اس لئے انہیں ایک کیٹیگری میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے طبقے، مذہب اور نسلی پس منظر کے مطابق ان کی حیثیت اور کیفیت میں بہت زیادہ فرق پایا جاتا ہے۔ اصلاحاتی عمل میں اس بات کو یقینی بنانا ہوگا کہ زیادہ سے زیادہ ثمرات معاشرے کے انتہائی محروم اور طبقات کے حصے میں آئیں جن کی اکثریت خواتین اور لڑکیوں پر مشتمل ہے۔

صنفی عدم برابری ایک کثیر رخی ڈھانچہ جاتی مسئلہ ہے جسے دور کرنے کے لئے ایسے سٹریٹجک حل نکالنا ہوں گے جو کمیونٹی سطح پر کام کریں۔ صنفی برابری کے فروغ اور تحفظ کے لئے پاکستان میں اچھے خاصے جامع قانونی وپالیسی فریم ورکس (اگرچہ وہ مکمل طور پر بے عیب نہیں) موجود ہیں۔ تاہم اصل چیلنج خواتین حامی قوانین اور پالیسیوں پر عملدرآمد ہے۔ اداروں کے ڈھانچوں اور قواعد کی پدرشاہی نوعیت ملک کی ترقی میں ایک بنیادی رکاوٹ ہے۔ سرکاری اداروں کو صنفی رنگ میں ڈھال کر ہی آگے بڑھنے کی راہ نکالی جاسکتی ہے اور اس سفر کا آغاز افرادی قوت میں صنفی توازن یقینی بنا کر کیا جاسکتا ہے۔ پاکستان میں اعلیٰ قابلیت کے حامل طبقے میں خواتین کی بڑھتی اکثریت موجود ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے میدان میں اصناف کے درمیان بمشکل ہی کوئی فرق دیکھنے کو ملتا ہے۔ تاہم ٹیلنٹ کے قومی حلقے میں خواتین کو ایک اہم قوت کی حیثیت نہیں دی جاتی۔ خواتین کی اعلیٰ قابلیت کو بہتر معاشی ثمرات کے لئے بروئے کار نہیں لایا گیا یا اس کے لئے انہیں مختلف اداروں کے قائدانہ عہدوں پر فائز نہیں کیا گیا۔ اس وقت سرکاری اداروں میں صرف چھ خواتین سیکرٹری کے عہدے پر کام کر رہی ہیں۔ افرادی قوت کی منڈی میں افقی اور عمودی دونوں خطوط پر خواتین کو الگ تھلگ رکھا جارہا ہے۔

سرکاری اداروں میں تنخواہ کے تمام سکیلز میں خواتین کے لئے پہلے سے طے شدہ 10 فیصد کوٹہ پر موثر عملدرآمد اور کام کی جگہوں پر گھر اور کام کے درمیان سازگار توازن کا قیام حکومت کی اولین ترجیح ہونا چاہئے۔ اس سے خواتین افرادی قوت کی پیداواری صلاحیت میں اضافہ ہوگا اور اداروں کے کام کے ماحول میں صنفی تعصبات اور تفاوت ختم ہوں گے۔

خواتین کو بااختیار بنانے کے عمل میں معاشی آزادی کو ایک انتہائی بنیادی عنصر کی حیثیت حاصل ہے۔ خواتین ملک کے پیداواری شعبے میں بھرپور طریقے سے کام کر رہی ہیں۔ لیکن ان کی زیادہ تعداد زراعت کے شعبے میں اور شہری معیشت کے غیر رسمی شعبے میں کام کر رہی ہے۔ اس ضمن

1 حکومت پاکستان، وزارت خزانہ: ''اکنامک سروے آف پاکستان 2017-18''۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://www.finance.gov.pk/survey/chapters_18/Economic_Survey_2017_18.pdf

2 اقوام متحدہ پاپولیشن فنڈ، State of World Population Report 2017۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: https://www.unfpa.org/swop-2018

3 شماریات بیورو پاکستان: ''مردم شماری 2017''۔ جو یہاں سے حاصل کی جاسکتی ہے: http://www.pbscensus.gov.pk/

4 شماریات بیورو پاکستان: ''لیبر فورس سروے 2013-14''۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://www.pbs.gov.pk/sites/default/files/Labour%20Force/publications/lfs2013-14/Annual%20Report%20of%20LFS%202013-14%20Final.pdf

میں پی ٹی آئی حکومت کو پہلا کام یہ کرنا چاہئے کہ غیر رسمی شعبے کو باقاعدہ اور رسمی بنانے کی جانب قدم بڑھائے۔ اس سے نہ صرف خواتین کے معاشی استحصال میں کمی آئے گی بلکہ لاکھوں چھوٹے کاروباری ادارے جو اس وقت غیر رسمی شعبے میں کام کر رہے ہیں وہ بھی ٹیکس دائرے میں شامل ہو جائیں گے۔

پیداواری وسائل کی ملکیت میں اضافہ خواتین کو بااختیار بنانے کا ایک اور طریقہ ہے۔ خودکار نظام کے تحت وراثت میں خواتین کے حصے کی منتقلی پر کڑے قوانین خواتین کو معاشی لحاظ سے بااختیار بنانے میں انتہائی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اسی طرح اراضی جیسے پیداواری اثاثوں اور مالی خدمات کی تقسیم نو کی سرکاری پالیسی میں خواتین کو مرکزی حیثیت ملنی چاہئے۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنا کاروبار کی مہارتوں اور انفارمیشن کمیونیکیشن ٹیکنالوجی کے شعبے میں ان کے لئے تربیت کا اہتمام کیا جائے۔ پیداواری وسائل کی تقسیم نو میں برابری صنفی برابری کے اصل مقصد کے حصول کا راستہ ہے۔

پاکستان کے سبھی طبقات، علاقوں اور شہری و دیہی خطے میں خواتین پر تشدد عام ہے۔ صنفی تعلقات میں طاقت کا عدم توازن خواتین پر تشدد کی اصل جڑ ہے۔ خواتین اور لڑکیوں پر تشدد نہ صرف ان کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے بلکہ ریاست اور معاشرے کو بھی اس کی بھاری سماجی و معاشی قیمت چکانا پڑتی ہے۔ بسا اوقات ہمارا فوجداری نظام انصاف تشدد کا مقابلہ کرنے والی خواتین کو انصاف فراہم کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ خواتین پر تشدد کے مقدمات میں سزا کا تناسب برائے نام ہے۔ ریاست کا فرض ہے کہ وہ خواتین کے انسانی حقوق کا احترام کرے، انہیں تحفظ اور فروغ دے اور ان کی تکمیل کرے۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ سزا سے بچ جانے کے اس کلچر کو ختم کرنے کے لئے اقدامات کرے جو خواتین پر تشدد کو دوام دیتا ہے۔ خواتین پر تشدد کے خاتمہ کا لائحہ عمل روک تھام، تحفظ اور معاونت کے فریم ورک پر مبنی ہونا چاہئے۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ خواتین پر تشدد کے مقدمات میں عدالتوں کے لئے فیصلے کرنے، مجرموں کو سزا دینے اور تیز انصاف یقینی بنانے کی مدتیں مقرر کر دے۔

میدان سیاست میں خواتین کی بااختیار حیثیت صنفی برابری کا ایک اور راستہ ہے۔ باضابطہ سیاسی ڈھانچوں میں موجود خواتین صنفی برابری پر مبنی ریاستی پالیسیوں پر اپنا اثر دکھا سکتی ہیں۔ باضابطہ میدان سیاست میں داخل ہونے کے لئے خواتین کو پیچ دار، سماجی و معاشی اور سیاسی سطحوں پر کئی طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پاکستانی خواتین کو پارلیمانی ڈھانچے کا حصہ بنانے کا بہترین راستہ خواتین کے لئے مخصوص نشستوں کی فراہمی ہے۔ ان نشستوں کو پُر کرنے کے لئے متناسب نمائندگی کے نظام پر عمل ہونا چاہئے۔ اس میں سیاسی جماعتیں انتخابات سے قبل الیکشن کمیشن کو مخصوص نشستوں کے لئے اپنی خواتین امیدواروں کی فہرست جمع کرا دیتی ہیں اور انتخابات میں جیتی گئی جنرل نشستوں کے تناسب سے انہیں مخصوص نشستوں میں ان کا حصہ مل جاتا ہے۔ مخصوص نشستوں پر انتخاب کے بالواسطہ طریقہ کار کی وجہ سے خواتین کی نشستوں پر اشرافیہ کا قبضہ ہے۔ مخصوص نشستوں پر خواتین ارکان مقننہ کی موثر کارکردگی کے باوجود ان کی جائز سیاسی حیثیت کو اکثر ان کے اپنے ساتھی، میڈیا اور عوام بھی چیلنج کرتے نظر آتے ہیں۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں خواتین کے لئے مخصوص نشستوں کی تعداد بڑھانے (33 فیصد) اور ان نشستوں پر انتخاب کا بلاواسطہ طریقہ کار اپنانے کے لئے کام کرے۔ بلاواسطہ انتخاب سے خواتین کا حلقہ اثر بڑھے گا اور وہ اس قدر بااختیار ہوں گی کہ صنفی امور کو ملک میں طرز حکمرانی کے قانونی اور پالیسی فریم ورکس میں بہتر طور پر شامل کرا سکیں۔

اصناف کے درمیان فرق دور کرنے کے ان اقدامات یا طریقوں پر عمل کے لئے کسی اضافی مالی وسائل کی ضرورت نہیں ہوگی۔ ضرورت ہے تو صرف مضبوط سیاسی عزم کی اور احتساب کے شفاف نظام کی جو صنفی برابری کی جانب پیشرفت کو تیز کرے۔ معاشی اور سیاسی لحاظ سے بااختیار خواتین نہ صرف اپنی بلکہ اپنے اہل خانہ کی تعلیم اور صحت کی ضروریات کا بھی بہتر طریقے سے خیال رکھ سکتی ہیں۔

سلمان نوید خان

چیف ایگزیکٹو آفیسر
پاک الائنس فار میتھس اینڈ سائنس

پاکستان کے نظام تعلیم کا زور محض ایوارڈ یافتہ سائنسدان، انجینئر اور ڈاکٹر تیار کرنے پر نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ نظام تعلیم ایسا ہونا چاہیئے جو بچوں اور بڑوں سب کو اس قابل بنائے کہ وہ تنقیدی انداز میں سوچیں، اپنی ذہنی صلاحیتوں کو بڑھائیں، غلط اور درست کے درمیان تمیز کر سکیں اور پاکستان کی معاشی افزائش میں اپنا حصہ ملا سکیں۔

کمرہ جماعت میں دی جانے والی تعلیم کا معیار ایسا ہو جو پاکستانی بچوں کو یہ سب کچھ اور اس سے بڑھ کر بھی بہت کچھ کرنے کے قابل بنائے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ دو مضامین جو ذہنی صلاحیتیں اور تنقیدی انداز فکر بہتر بنانے اور اسے کام میں لانے میں مدد دیتے ہیں ان میں ہمارے طلبہ (اور بالغ افراد) کی کارکردگی انتہائی بدتر ہے۔ بچوں کو سکول میں داخل کرنے اور تسلسل کی شرح بڑھانے پر تو خاصا زور لگایا جا رہا ہے اور تعلیم پر لگائے جانے والے سرمایہ میں بھی ڈرامائی حد تک اضافہ ہو گیا ہے لیکن پاکستانی حکومتیں ابھی اس جوہر نایاب سے بے خبر ہیں جس کی جستجو ہماری اصل ضرورت ہے اور جس کے ذریعے ہم اپنے معیار تعلیم کو ہر لحاظ سے بہتر بنا سکتے ہیں۔

معیار تعلیم اور معاشی افزائش پر ایرک ہانوشیک کی تحقیق بتاتی ہے کہ بالخصوص ریاضی، سائنس اور پڑھائی میں ذہنی صلاحیتیں، جن کی پیمائش تدریسی کامیابیوں سے کی جاتی ہے، محض سکول تعلیم میں ہی نہیں بلکہ قومی معاشی افزائش میں اس سے بھی بڑھ کر اپنا رنگ دکھاتی ہیں۔[1] حکومت اگر پاکستان کا ہیومن ڈویلپمنٹ انڈکس بہتر بنانے کا ارادہ رکھتی ہے تو ایرک ہانوشیک کی تحقیق کے محض اسی پہلو میں ہی اسے آئندہ پانچ سال کے لئے پالیسی رہنما اصول مل جانا چاہیئے۔

ہمارے بچے آج کہاں کھڑے ہیں؟

نیشنل ایجوکیشن اسیسمنٹ سسٹم (این ای اے ایس) کے زیر انتظام ایک ''نیشنل اسیسمنٹ ٹیسٹ'' کیا جاتا ہے۔ آٹھویں جماعت کے بچوں میں ریاضی کی مہارت پر اس کی حالیہ رپورٹ سے یہ پریشان کن بات سامنے آتی ہے کہ 32 فیصد بچوں کی حالت بنیادی مہارت سے بھی پست ہے (شکل 1)۔

چوتھی جماعت میں داخل تمام طلبہ میں سے جن بچوں نے ٹیسٹ میں حصہ لیا ان میں سے تقریباً 49 فیصد نے سائنس میں پست بنیادی مہارت دکھائی (شکل 2)۔

منڈی کی قوتوں کی آراء

بدلتے معاشی سیاق وسباق میں درکار مہارتوں کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔ ریاست کو یہ بات یقینی بنانے کے لئے سرمایہ کاری کرنا ہوگی کہ سکولوں میں داخل بچوں کو ریاضی اور سائنس کی ایسی تعلیم ملے جس سے ان کی 'ملازمت کے لئے سازگار' مہارتوں میں بہتری آئے۔ شعبہ تعلیم کے تمام مضامین میں ریاضی اور سائنس کا منڈی میں مانگ کی حامل کئی مہارتوں کے ساتھ سب سے گہرا تعلق ہے۔ پھر بھی تعلیمی پالیسی اور ریاضی و سائنس کی وسیع تر تعلیمی بحث میں نجی شعبے یا کاروباری اداروں کی آراء تقریباً نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ملک کے تعلیمی نظام میں منڈی کی قوتوں کو بھرپور طریقے سے شامل کئے بغیر مجموعی سیاق وسباق اور اصلاحات حامی طرز عمل کے لئے سیاسی مراعات کو اس حد تک تبدیل نہیں کیا جا سکتا کہ یہ کوئی بہتر نتائج دکھا سکیں۔

پاکستان جیسی ترقی پذیر معیشتوں میں یا کہیں بھی مستقبل میں روزگار کے جو مواقع سامنے آئیں گے ان کے لئے ریاضی اور سماجی امور میں اعلیٰ سطح کی مہارتوں کی ضرورت ہوگی۔ وفاقی اور صوبائی حکومتوں کو چاہیئے کہ وہ ورلڈ اکنامک فورم کے The Future of Jobs[2] اور اس سے بھی بڑھ کر پاکستان بزنس کونسل کے ''آئندہ حکومت کے لئے 100 روزہ معاشی ایجنڈا''[3] پر ضرور توجہ دیں جن میں ریاست پر زور دیا گیا ہے کہ وہ سکولوں میں ریاضی پڑھانے کے رجحان کو مضبوط بنانے کے لئے مزید اقدامات کرے۔

حکومتی نظام اور ڈھانچے

پاکستان کے سیاق وسباق میں حکومتی نظاموں اور ڈھانچوں کی ناکامیوں کو دو وسیع کیٹیگریز میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یعنی وہ رکاوٹیں جو عمدہ پالیسی بنانے اور عمدہ فیصلے کرنے کی صلاحیت کو محدود کرتی ہیں (مثلاً پالیسی تیاری میں استعمال ہونے والی آراء اور اس کے ثمرات، اور موزوں وسائل کی تخصیص) اور دوسری جانب وہ رکاوٹیں جو شعبہ تعلیم کا نظام چلانے کی

Table 1: Proficiency in Mathematics
NEAS 2014 Mean Scores in Maths

Percentage of Respomdents	Mean Score (out of 1000)
AJK (4 percent)	445
Balochistan (10 percent)	422
FATA (4 Percent)	398
Gilgit-Baltistan (4 percent)	438
ICT (5 percent)	466
Khyber Pakhtunkhwa (17 percent)	423
Punjab (39 percent)	532
Sindh (17 percent)	416
National Mean Score	**461**

Table 2: Proficiency in Science
NEAS 2014 Mean Scores in Science

Percentage of Respomdents	Mean Score (out of 1000)
AJK (5 percent)	418
Balochistan (8 percent)	402
FATA (3 Percent)	405
Gilgit-Baltistan (6 percent)	419
ICT (5 percent)	409
Khyber Pakhtunkhwa (18 percent)	441
Punjab (44 percent)	487
Sindh (11 percent)	420
National Mean Score	**433**

1 Powering Pakistan for the 21st Century: How Maths and Science Powers Nations (2018)۔ پاک الائنس فار میتھس اینڈ سائنس۔ جو یہاں سے دستیاب ہے:
http://www.mathsandscience.pk/wp-content/uploads/2017/01/How-Maths-Science-Power-Nations-1.pdf

2 The Future of Jobs۔ ورلڈ اکنامک فورم (2016)۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://reports.weforum.org/future-of-jobs-2016/

3 100 Day Economic Agenda for the Incoming Government۔ پاکستان بزنس کونسل (2018)۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: https://www.pbc.org.pk/wp-content/uploads/100-day-agenda-digital.pdf

صلاحیت کو محدود کرتی ہیں کیونکہ ہمارے ہاں حکومت کا ڈھانچہ ہی ایسا ہے (مثلاً موزوں صلاحیتوں کے حامل افراد کی جب اور جہاں ضرورت ہو، کی بنیاد پر تعیناتی)۔ وفاقی اور صوبائی دونوں سطح کی حکومتیں اکثر ان اہم ترین عوامل کا ازالہ کئے بغیر ناقص تدریسی نتائج کے مسئلے کو حل کرنے کی کوششوں میں لگی رہتی ہیں۔

تدریسی نتائج پیدا کرنے والے حکومتی نظاموں اور ڈھانچوں پر کام کئے بغیر حکومتیں شاید ان نتائج پر وقتی اثرات لانے میں تو کامیاب ہو جائیں لیکن اس طرح انہیں طویل مدتی اور پائیدار کامیابی سے ہمکنار کرنا تقریباً ناممکن سی بات ہے۔ پاکستان کو صحیح معنوں میں اکیسویں صدی کے تقاضوں کے مطابق تیار کرنے کے لئے حکومتی نظاموں اور ڈھانچوں کے ان مسائل کو دور کرنا ہوگا۔

اٹھارہویں ترمیم کی اصل روح

تعلیمی خدمات کی فراہمی اٹھارہویں ترمیم کے تحت صوبوں کے سپرد کر دی گئی۔ ان ملکوں میں جہاں وفاقی، ریاستی اور مقامی حکومتی نظام پختہ شکل اختیار کر چکے ہیں، وہاں ہر سطح کی حکومتوں نے اپنے اپنے طریقے وضع کر رکھے ہیں جن میں تدریسی نتائج کو باقی تمام باتوں پر ترجیح دی جاتی ہے۔ 2013-18 کے دوران وزارت وفاقی تعلیم نے بین الصوبائی وزرائے تعلیم کانفرنس تشکیل دی تھی جس کی بدولت تمام حکومتیں ان طریقوں پر آپس میں بات چیت کر سکتی تھیں جن کے تحت ہر سطح کی حکومتیں اپنا کردار ادا کر سکتی ہیں۔

موجودہ حکومت کو چاہئے کہ وہ بھی یہی طریقہ اپنائے اور اس گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے ایسے طریقے تلاش کرے جن میں گفتگو محض نصاب اور یکساں معیارات تک ہی محدود نہ رہے بلکہ اس میں زیر تعلیم بچوں کے تدریسی نتائج کو ترجیح دی جائے۔ یہ دونوں چیزیں اپنی جگہ واقعی انتہائی اہم ہیں لیکن یہ بحث بھی ضروری ہے کہ پاکستانی بچوں کو مستقل قریب میں اس سے فائدہ نہیں پہنچے گا۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ وفاقی حکومت اور صوبوں میں ایگزیکٹو کی سطح پر ریاضی اور سائنس کی تعلیم پر توجہ مرکوز کی جائے۔ اٹھارہویں ترمیم کو محض بحث کے لئے استعمال کرنے کے بجائے اس سلسلے میں اقدامات وضع کرنا ہوں گے اور سیاسی جماعتوں کو اس کی راہیں نکالنا ہوں گی۔

تبدیلی کا سفر

حکومت کی طرف سے شعبہ تعلیم کو چلانے کے طریقوں میں اصلاحات لائے بغیر ریاضی اور سائنس کی تعلیم میں پائیدار بہتری نہیں لائی جا سکتی۔ اصلاحات کو صحیح رخ پر بڑھانے میں مدد دینے کے لئے دو بنیادی اقدامات ایسے ہیں جن پر وفاقی حکومت کو لازماً کام کرنا ہوگا۔

پہلا، قومی قیادت کو محض نقالی کی روش سے ہٹ کر سوچی سمجھی کوشش کرنا ہوگی اور ملک کے اندر دیگر حلقوں کی بھی حوصلہ افزائی کرنا ہوگی کہ وہ اس میں ساتھ دیں۔ ماضی میں کئی ایسی اصلاحات ناکامی سے دوچار ہو چکی ہیں جو بنیادی نوعیت کی نہ تھیں اور ان لوگوں کی مخصوص ضروریات اور سیاق وسباق پر پورا نہیں اترتی تھیں جن کے لئے وہ وضع کی گئیں۔ ناکامی کی اس روایت کو توڑا جا سکتا ہے اور اس بار توڑنا ہوگا۔

دوسرا، تحقیق اور ترقی پر ڈرامائی حد تک بھاری سرمایہ کاری کے ذریعے ریاست کاروباری سرگرمیوں اور جدت میں بھرپور اور ہمہ گیر زور پیدا کر سکتی ہے جو حکومت کے بنیادی ڈھانچوں اور نظاموں میں بھی مطلوبہ تبدیلیاں لا سکتا ہے۔

وزیراعظم کو سائنس، تحقیق اور ترقی کے میدان میں ریاضی اور سائنس کو مرکزی حیثیت دینے والی سوچ اپنانا ہوگی جس سے جدت پر سرمایہ کاری میں بھرپور اضافہ ہو۔ صوبائی سطح پر بھی اسی طرح کی سرگرمی کی ضرورت ہو گی جس میں متعلقہ وزرائے اعلیٰ کو اپنے وقت اور وسائل کے ذریعے یقینی بنانا ہوگا کہ جدت کے کلچر کو ثمر آور بنایا جائے۔

نظام کی سطح پر مینجمنٹ کے نقطہ نظر سے دو طرح کی اصلاحات کی ضرورت ہو گی۔ سرکاری فنڈز کے معاملے میں خاص طور پر جہاں طلبہ اور نظام تعلیم کا ایک دوسرے سے واسطہ پڑتا ہے، وہاں بہتر مراعات پیدا کرنا ہوں گی اور اخراجات کو زیادہ موثر بنانا ہوگا جس میں جزوی طور پر اساتذہ اور سکول سربراہان کو موقع دینا ہوگا کہ وہ تدریسی نتائج بہتر بنانے پر رقم خرچ کر سکیں۔ سرکاری فنڈز کی مینجمنٹ کا موجودہ نظام اس طرح کے اخراجات کے لئے کوئی خاص مواقع پیدا نہیں کرتا۔ اسی طرح سرکاری شعبے میں انسانی وسائل کی مینجمنٹ کو محض منتظمین، سیاست دانوں یا اساتذہ کی خواہشات یا ضروریات کے بجائے کمرہ جماعت میں پڑھنے والے بچوں کی ضروریات سے ہم آہنگ بنانا ہوگا۔ شعبہ تعلیم کا کام یہ نہیں ہونا چاہئے کہ یہ ٹیکس دہندگان کے پیسے سے انسانی وسائل کے لئے سہولتیں پیدا کرے بلکہ اسے بچوں کی تدریسی ضروریات کو پورا کرنا چاہئے۔

© UNDP Pakistan

ریاضی اور سائنس کی تعلیم کے لئے لائحہ عمل

مقصد نمبر 1: حکومت کے اندر سے سرکردہ افراد کو ریاضی اور سائنس کی تعلیم سے متعلق پالیسی مقاصد وضع کرنے اور انہیں عملی جامہ پہنانے کے منصوبے تشکیل دینے کی ذمہ داریاں سونپی جائیں۔

ضروری اقدام 1.1: وزیراعظم کے دفتر میں ایک "چیف سائنٹسٹ" یا "چیف سائنٹیفک آفیسر" کا تقرر کیا جائے جس کا درجہ وفاقی وزیر کے برابر ہو۔

ضروری اقدام 1.2: چیف سائنٹسٹ کا سیکرٹیریٹ قائم کیا جائے، اور اس کا ایک مشاورتی بورڈ تشکیل دیا جائے جو پاکستان کو اکیسویں صدی کے تقاضوں سے ہم آہنگ ریاضی اور سائنس کی تعلیم سے لیس کرنے کے لئے ایک ایجنڈا وضع کرے۔

مقصد نمبر 2: وفاقی سطح پر ریاضی اور سائنس کی تعلیم کے لئے زیادہ وسائل مختص کئے جائیں جس کے ساتھ اہداف کے مطابق اخراجات کا منصوبہ مرتب کیا جائے۔

ضروری اقدام 2.1: میتھ اینڈ سائنس فنڈ قائم کیا جائے جو ملک بھر میں ریاضی اور سائنس کی اعلیٰ معیار کی تدریسی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لئے استعمال کیا جائے اور جہاں ضروری ہو یہ کام صوبائی حکومتوں کے ذریعے کیا جائے۔

مقصد نمبر 3: پبلک لائبریریوں کو "میتھ اینڈ سائنس سنٹرز" میں تبدیل کر دیا جائے۔

ضروری اقدام 3.1: سرکاری اور غیر ریاستی اداروں میں پبلک لائبریریاں قائم کی جائیں جہاں عام شہریوں کے لئے سائنس میوزیم، لرننگ سنٹرز اور فلکیاتی مطالعہ کے مراکز قائم کئے جائیں۔

مقصد نمبر 4: سکول سطح پر ریاضی اور سائنس کے مضامین میں مارکیٹ کی ضروریات کے مطابق مواد متعارف کرایا جائے۔

ضروری اقدام 4.1: ایف پی سی سی آئی، پی بی سی اور مارکیٹ کے دیگر سرکردہ اداروں سے پالیسی آراء حاصل کی جائیں کہ ریاضی اور سائنس کے شعبوں میں ان کے نزدیک ہماری مستقبل کی ضروریات کیا ہوں گی۔

مقصد نمبر 5: ڈیٹا جمع کرنے کے مضبوط نظام وضع کئے جائیں جن میں تدریسی نتائج اور ملک بھر کے سرکاری و نجی اداروں کے سکول انڈکس کو آپس میں جوڑا جائے۔

مقصد نمبر 6: ذہین طلبہ کو اپنی استعداد بروئے کار لانے کے مواقع فراہم کئے جائیں۔

ضروری اقدام 6.1: سرکاری سکولوں خاص طور پر دیہی علاقوں یا غریب شہری علاقوں کے ذہین اور باصلاحیت طلبہ کی نشاندہی اور ان کی معاونت کے طریقے وضع کرنے کے لئے ٹاسک فورس قائم کی جائے۔

مقصد نمبر 7: طلبہ کو جدید ترین ڈیجیٹل صلاحیتوں اور آلات سے لیس کیا جائے۔

مقصد نمبر 8: انسانی وسائل کی پالیسیوں کو وفاقی اور صوبائی متعلقہ فریقوں کے ساتھ مل کر مرکزی دھارے میں لایا جائے۔

ضروری اقدام 8.1: وفاقی حکومت کے اسٹیبلشمنٹ ڈویژن اور صوبوں کے سروسز اینڈ جنرل ایڈمنسٹریشن کے محکموں کے اشتراک سے ایک ٹاسک فورس قائم کی جائے جو تعلیمی خدمات کی فراہمی میں انسانی وسائل کی مینجمنٹ بہتر بنانے کے لئے تجاویز جمع کرے اور ان کا جائزہ لے۔

مقصد نمبر 9: ریاست کی زیر قیادت اپنا کاروبار (Entrepreneurship) پر سرمایہ کاری اور سائنسی جدت کی سرگرمیاں

ضروری اقدام 9.1: The Entrepreneurial State کے لئے مازوکاٹو فریم ورک[4] کی روشنی میں ریاست شعبہ سائنس کی کاروباری سرگرمیوں اور جدت کو آگے بڑھانے کے لئے قائدانہ کردار ادا کرے اور اپنے وسائل اس پر لگائے۔

ضروری اقدام 9.2: سائنس، تحقیق اور ترقی کے میدان میں ریاضی اور سائنس کو مرکزی حیثیت دینے والی سوچ اپنائی جائے جس سے جدت پر سرمایہ کاری میں بھرپور اضافہ ہو۔

مقصد نمبر 10: نصاب، نصابی کتب اور تجزیئے تیار کئے جائیں جو ریاضی اور سائنس کے بنیادی تصورات کو بین الاقوامی تقاضوں کے مطابق ڈھالیں اور ان کا اطلاق کریں۔

مقصد نمبر 11: انسانی وسائل کی پالیسیوں کو وفاقی اور صوبائی متعلقہ فریقوں کے ساتھ مل کر مرکزی دھارے میں لایا جائے۔

مقصد نمبر 12: سائنس کو سکول سطح پر مقبول بنایا جائے۔

مقصد نمبر 13: ہائیر ایجوکیشن کمیشن اور صوبائی ہائیر ایجوکیشن کمیشن اپنے فریم ورک وضع کریں جن کے تحت سکولوں کے لئے ریاضی اور سائنس میں اساتذہ کے تربیتی پروگرام تشکیل دیئے جائیں اور ان میں معاونت فراہم کی جائے۔

4 The Entrepreneurial State، مازوکاٹو، ایم (2018)

ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ
پاکستان